قیامت کے باغی

خاص نمبر

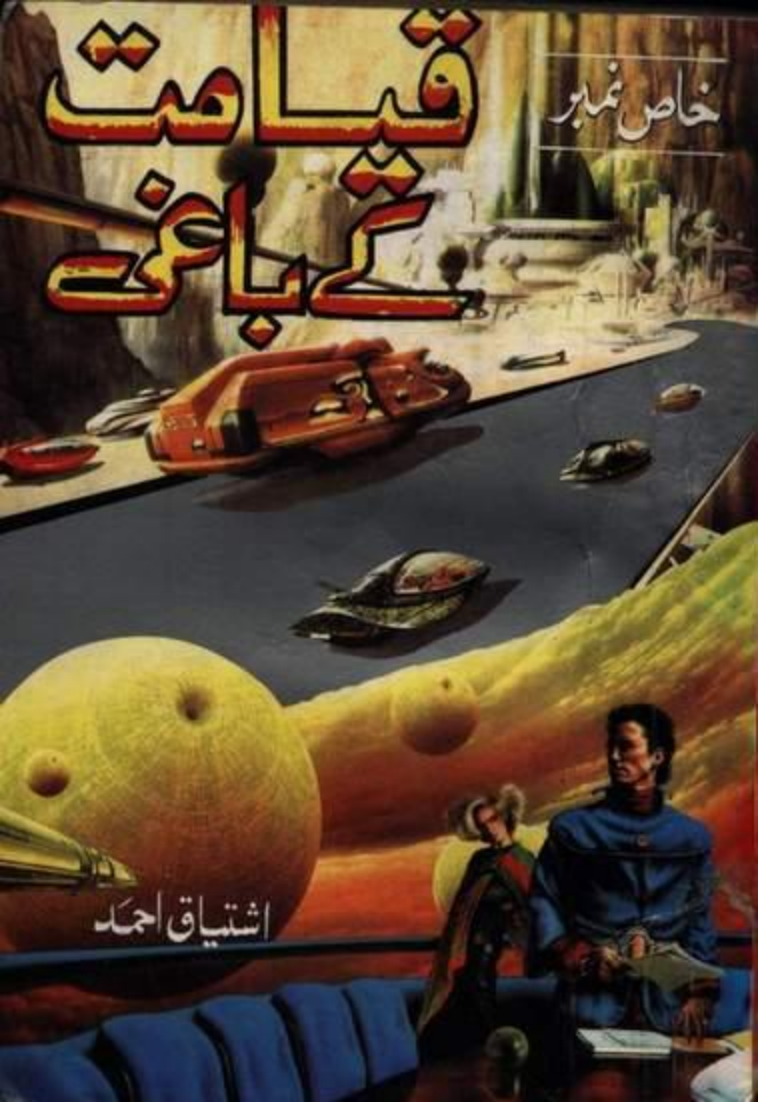

اشتیاق احمد

ہوائیں رنگ خوشبو پھول تتلی سب منافق ہیں
در و دیوار بھی ہیں بدگماں اپنے مکینوں سے

زمیں پر پیر جن کے خوف سے ہم رکھ نہیں سکتے
وہ سارے سانپ نکلے ہیں ہماری آستینوں سے

کئی موسم گلوں میں صورت مکار گروی ہیں
ہر اک پتا یہاں مقروض ہے گلزار گروی ہیں

مسافر خوش نہ ہو اس لہلہاتی مست چھاؤں سے
یہ تا حد نظر پھیلے ہوئے اشجار گروی ہیں

گلہ کیا کناروں سے بھنور سے کیا شکایت ہو
منافق کشتیاں ہیں اور سب پتوار گروی ہیں

ہر اک منزل ہزاروں راستوں میں بانٹ دیتے ہیں
مجھے لگتا ہے جیسے قافلہ سالار گروی ہیں

ہمی تھے بے خبر یہ بے حجابی دیر سے سمجھے
ریا کے خول میں لپٹے لب و رخسار گروی ہیں

ہماری خاک آلودہ جبینوں کو نہ طعنہ دیں
ہمارا کیا یہاں تو صاحب دستار گروی ہیں

فضاؤں میں اذانوں کی صدائیں گونجتی تو ہیں
مگر کیسے کہوں کہ یہ منبر و مینار گروی ہیں

ظفر میں سوچتا ہوں چمن کیسا ہمارا ہے
جہاں سب پھول گروی ہیں، جہاں سب خار گروی ہیں

ظفر سعید

حیرت

ہوٹل ریحان کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا.... آج ہر میز کے لیے پانچ سو روپے کا ٹکٹ مقرر کیا گیا تھا.... شوکی برادرز کو بھی پانچ سو روپے خرچ کرنے پڑ گئے تھے.... اگرچہ وہ ایسی چیزوں کے شائق نہیں تھے، لیکن اخبارات میں پروفیسر المان کے بارے میں کچھ ایسی حیرت انگیز باتیں سننے میں آئی تھیں کہ وہ رہ نہ سکے اور ایک ٹکٹ انہوں نے بھی حاصل کر لیا۔ گویا اس وقت ہال میں موجود ہزاروں لوگوں نے سو روپے فی آدمی ادا کیے تھے.... ہوٹل ریحان کا یہ ہال پورے شہر کے ہوٹلوں سے بڑا تھا۔ اور شاید اسی لیے پروفیسر المان نے اس ہوٹل کو اپنے کرتب دکھانے کے لیے مقرر کیا تھا.... ہوٹل والوں سے اس نے ایک معاہدہ کیا تھا.... یہ کسی کو معلوم نہیں تھا، نہ اس سے کسی کو غرض تھی.... پہلے روز جب ہال میں یہ اعلان کیا گیا کہ آج ایک غیر ملکی سائنس دان پروفیسر المان اپنے کچھ کمالات ہوٹل کے گاہکوں کو دکھائیں گے تو اس وقت وہاں موجود لوگوں کو خیال بھی نہیں تھا کہ چند دن بعد یہی پروفیسر المان شہرت کی بلندیوں کو چھو لیں گے.... بلکہ شہرت کے

آسمان پر جا پہنچیں گے دوسرے دن جب پھر یہ اعلان اخبارات میں نظر آیا تو لوگ ہوٹل ریحان پر ٹوٹ پڑے.... تیسرے دن سو روپے فی میز ٹکٹ لگانا پڑا.... اور چار دن بعد یہ ٹکٹ پانچ سو روپے پر جا پہنچا تھا.... لوگوں کا خیال یہ بھی تھا کہ اگر یہی حال رہا تو یہ ٹکٹ پانچ ہزار تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

ٹھیک چار بجے سپیکر پر آواز سنائی دینے لگی۔

"خواتین و حضرات.... اب آپ ہوشیار ہو کے بیٹھ جائیں.... پروفیسر المان سٹیج پر آیا چاہتے ہیں.... آج آپ کو وہ پہلے کی نسبت کہیں بڑے کمالات دکھائیں گے.... لیجئے.... ملاحظہ فرمایئے"۔

سب کے رخ سٹیج کی طرف ہو گئے.... لوگ کھانے پینے کی چیزوں کو بھول گئے.... اور پھر سٹیج کا پردہ اٹھنے لگا.... سٹیج پر انہیں ایک میز رکھی نظر آئی.... میز سے کچھ فاصلے پر ایک کرسی رکھی تھی.... کرسی کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز اور موجود تھی.... اس پر ایک چھڑی رکھی تھی.... جو غالباً" آبنوس کی تھی.... میز پر ایک ریشمی کپڑا بچھا تھا.... اچانک ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

پروفیسر المان سٹیج کے ایک کونے سے نمودار ہو کر عین درمیان میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے.... پھر ان کے ہونٹ ہلنے لگے۔

"آج اس شہر میں میرا ساتواں دن ہے.... میرے کمالات کو یہاں بہت زیادہ پسند کیا گیا ہے.... لیکن آج میں آپ لوگوں کو ان

کمالات سے بھی بڑھ کر کچھ دکھاؤں گا.... امید ہے' آپ بہت لطف اندوز ہوں گے.... یہ بھی وضاحت کر دوں.... کہ میں جو کچھ دکھاؤں گا وہ نہ تو جادو ہو گا.... نہ ہپناٹزم.... کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ میں دراصل ایک جادوگر ہوں اور ہپناٹزم کے ذریعے یہ ساری چیزیں دکھاتا ہوں.... لیکن میرا چیلنج ہے.... کہ ایسی کوئی بات نہیں.... اگر یہاں کوئی صاحب ہپناٹزم کے ماہر تشریف فرما ہوں تو وہ اعلان کریں اور بعد میں لوگوں کو بتائیں.... کہ کیا میں نے ہپناٹزم کا سہارا لیا ہے.... وہ یقیناً آپ کو بتائیں گے کہ نہیں.... میں نے ہپناٹزم کا سہارا نہیں لیا.... اب آپ توجہ فرمائیں.... ارے ہاں کسی نے اعلان نہیں کیا"۔

"میں یہاں موجود ہوں"۔ ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔

"آپ کا نام؟"

"پروفیسر غالب"۔

شوکی برادرز کی آنکھیں پھیل گئیں.... انہیں نہیں معلوم تھا کہ پروفیسر غالب جیسے لوگ بھی اس قسم کے کمالات دیکھنے کے لیے آ سکتے ہیں.... وہ ان سے کافی دور ایک میز پر اکیلے نظر آئے۔

"آپ اپنا تعارف کروا دیں"۔

"میں اپنے ملک کا ایک جانا پہچانا سائنس دان ہوں اور ہپناٹزم کے بارے میں بھی معلومات ہیں میری.... اگر پروفیسر المان نے ہپناٹزم کا سہارا لیا تو مجھے فوراً معلوم ہو جائے گا.... اور میں آپ لوگوں کو بتا دوں

گا"۔

"بہت خوب۔۔۔ یہ ہوئی نا بات"۔ پروفیسر المان بولے۔۔۔ پھر لوگوں کی طرف مڑے۔

"کیا اب آپ لوگ مطمئن ہیں"۔

"ہاں بالکل۔۔۔ ہم سب پروفیسر غالب کو جانتے ہیں۔۔۔ یہ انتہائی محب وطن ہیں"۔

"شکریہ"۔ پروفیسر غالب مسکرا دیے۔

"اب ہم یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔۔۔ یا پھر پروفیسر غالب وہاں نہیں بیٹھ سکتے"۔

"لیکن۔۔۔ وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ ان کی میز کے گرد صرف چار کرسیاں ہیں اور ہم پانچ ہیں"۔

"ہم گزارا کر لیں گے"۔

وہ اٹھ کر ان کی میز کے پاس پہنچ گئے۔

"اوہو۔۔۔ شوکی برادرز تم"۔ پروفیسر غالب کے منہ سے نکلا۔

"جی ہم۔۔۔ ہماری میز اس طرف ہے۔۔۔ لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی یہاں موجود ہیں۔۔۔ اب ہم وہاں کیسے بیٹھ سکتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھ جاؤ۔۔۔ ایک کرسی اور یہاں لگوا لیتے ہیں"۔

"جی نہیں۔۔۔ ہم گزارا کر لیں گے"۔

"اچھا ٹھیک ہے"۔

"شوکی برادرز۔۔۔ یہ کون ہیں؟" پروفیسر المان کی آواز ابھری۔۔۔ گویا ان کی بات چیت پورے ہال میں سنی گئی تھی۔

"یہ شوکی برادرز ہیں۔۔۔ ہمارے ملک کے ہونہار۔۔۔ اور وطن کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے ہر وقت تیار"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ ان سے کہیں۔۔۔ اب یہ درمیان میں نہ بولیں"۔

"او کے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ ان کی میز جو خالی ہو گئی ہے۔۔۔ اس پر باہر سے پانچ آدمی بلا کر بٹھا دیے جائیں۔۔۔ لیکن ان سے ٹکٹ نہ لیا جائے"۔ پروفیسر غالب بولے۔

"بہت بہتر پروفیسر صاحب"۔ ہوٹل کے مینجر نے آگے بڑھ کر کہا۔

پھر دروازہ کھول کر پانچ نوجوانوں کو اندر بلا لیا گیا۔۔۔ باہر رہ جانے والے باقی لوگوں نے ان کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔۔۔ بے شمار لوگ۔۔۔ ہوٹل کی شیشے کی دیواروں سے لگے اندر ہونے والے کمالات دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

اب پورا ہال ساکت تھا۔۔۔ ایسے میں پروفیسر المان کی آواز گونجی۔

"آپ اس میز کو دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اس پر موٹا ریشمی کپڑا بچھا ہے۔۔۔ آپ لوگ دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں۔۔۔ یہ بالکل عام کپڑا ہے۔۔۔

پروفیسر صاحب۔۔۔ کیا آپ اپنا اطمینان کرنا پسند کریں گے"۔

"فی الحال نہیں۔۔۔ آپ شروع کریں"۔

"شکریہ۔۔۔ دیکھئے۔۔۔ آپ میں سے کوئی شخص اپنی میز سے کوئی گلاس اٹھا کر اس میز پر رکھ دے"۔

ایک شخص اٹھا اور گلاس اس میز پر رکھ آیا۔

"یہ گلاس خالی ہے۔۔۔ اس میں پانی نہیں ہے۔۔۔ اب میں اپنی کرسی پر بیٹھ رہا ہوں۔۔۔ آپ سب لوگ اس گلاس کو غور سے دیکھتے رہیں گے"۔

سب کی نظریں گلاس پر جم گئیں۔۔۔ اچانک گلاس آہستہ آہستہ میز سے اوپر اٹھنے لگا۔۔۔ اور دس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر رک گیا۔

"آپ نے دیکھا۔۔۔ گلاس دس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر رک گیا ہے۔۔۔ آپ لوگ آ کر دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔۔۔ میز پر اب کوئی گلاس نہیں ہے"۔

پروفیسر صاحب ایک بار پھر اٹھے اور میز پر جا کر اپنا اطمینان کر آئے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ یہ ہپناٹزم نہیں ہے۔۔۔ لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ جادو نہیں ہے"۔

"ظاہر میں آپ اسے جادو کہہ سکتے ہیں۔۔۔ لیکن یہ جادو نہیں ہے۔۔۔ اس لیے کہ اگر کوئی بڑے سے بڑا جادوگر یہاں موجود ہے تو وہ

اس گلاس کو واپس میز پر لا کر دکھا دے"۔

"میں ایسا کروں گا"۔ ایک طرف سے آواز سنائی دی۔

لوگ اس طرف دیکھنے لگے۔۔۔ انہیں ایک جادوگر کی قسم کا انسان نظر آیا۔

"میں بھی آج اسی لیے آیا تھا کہ آپ کا پول کھول دوں۔۔۔ میں اس شہر میں مدت سے جادو کی کھیل پیش کر رہا ہوں۔۔۔ لیکن جس روز سے آپ آئے ہیں۔۔۔ میرا کاروبار ختم۔۔۔ اب ہوٹل جاوداں کا کوئی رخ نہیں کرتا۔۔۔ لہٰذا آج میں یہ بات ثابت کر کے رہوں گا کہ تم دراصل ایک جادوگر ہو"۔ اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ آپ اس گلاس پر اپنا جادو آزما دیکھیں۔۔۔ ابھی اندازہ ہو جائے گا"۔

جادوگر نے گلاس پر نظریں جما دیں۔۔۔ اور کچھ پڑھنے لگا۔۔۔ اور پڑھتا چلا گیا۔۔۔ یہاں تک کہ اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔۔۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔۔۔ جسم میں تھرتھراہٹ دوڑ گئی۔۔۔ لیکن گلاس اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔۔۔ آخر اس نے بلند آواز میں کہا۔

"میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ گلاس جادو کے زور سے اوپر نہیں اٹھا ہوا"۔

"تب پھر"۔ آئی آوازیں ابھریں۔

"یہ ضرور کوئی اور کمال ہے"۔

"لیکن کیا... یہ بھی تو بتائیں نا"۔

"یہ صرف اور صرف میں بتا سکتا ہوں"۔ پروفیسر المان نے کہا

"تو پھر آپ بتائیے"۔

"یہ صرف اور صرف آنکھوں کی طاقت ہے... میں یہ سب کمالات اپنی آنکھوں کی طاقت سے دکھاتا ہوں... یہ تو ابھی صرف ایک گلاس ہے... آپ کہیں تو میں یہ میز آنکھوں کی طاقت سے اٹھا سکتا ہوں"۔

"نن نہیں... بھلا میز آپ کس طرح اٹھا سکیں گے"۔

"کیوں نہیں... میز سے وزنی کوئی چیز اگر آپ بتائیں تو میں وہ بھی اٹھا سکتا ہوں"۔

"جی نہیں... آپ پہلے اس میز اٹھا کر دکھائیں"۔

"اچھی بات ہے... اس میز پر پانی کا جگ اور دو تین گلاس ایک رکھ دیے جائیں"۔

جلد ہی اس کی ہدایت پر عمل کیا گیا... اب وہ پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا... اور بولا۔

"جادوگر صاحب! کیا آپ یہ میز اپنے جادو کے زور سے فضا میں اٹھا سکتے ہیں"۔

"ہاں! میں یہ کر سکتا ہوں"۔ جادوگر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے کمال میں اور آپ کے کمال

میں کوئی فرق نہ ہوا"۔

"ہاں! میں تو یہی کہوں گا"۔

"لیکن میں ایک اور بات کہوں گا"۔ پروفیسر المان نے ہنس کر کہا۔

"اور وہ کیا؟" جادوگر بولا۔

"آپ اس میز کو اپنے جادو کے زور سے اٹھا کر دکھائیں"۔

"بس اتنی سی بات"۔

"نہیں... بات تو آگے شروع ہو گی"۔

"اچھی بات ہے"۔ جادوگر بولا۔

پھر وہ سٹیج پر آ گیا۔

"کہیں یہ دونوں آپس میں ملے ہوئے تو نہیں ہیں"۔ ایک طرف سے آواز ابھری۔

"جی نہیں... اس بات کا بعد میں بھی اگر کوئی ثبوت پیش کر سکتا ہے تو جو چور کی سزا وہ میری... میں ابھی اسی شہر میں ہوں"۔

"اچھا ٹھیک ہے... میں میز اٹھا رہا ہوں... اپنے جادو کے زور سے"۔

جادوگر یہ کہہ کر سٹیج پر آ گیا... اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا... اچانک میز اٹھنے لگی... وہ دس فٹ اونچی جا کر رک گئی۔

"یہ کمال تو میں نے بھی دکھا دیا... آپ کی شہرت کس وجہ سے

ہے"۔

"وہ بات بعد میں آئے گی.... آپ میز کو واپس اتار لیں"
پروفیسر المان نے کہا۔

جادوگر نے پھر منہ میں کچھ پڑھا.... اور میز نیچے آنے لگی
یہاں تک کہ سٹیج پر آکر ٹک گئی۔

"اب آپ اسے پھر اوپر اٹھا کر دکھائیں.... میں اسے اپنی
آنکھوں کی طاقت سے اوپر نہیں اٹھنے دوں گا"۔ پروفیسر المان نے کہا۔

"اچھا! یہ بات ہے.... چلئے پھر"۔

یہ کہہ کر پروفیسر المان نے اپنی آنکھیں میز پر جما دیں.... اور
جادوگر کچھ بڑبڑانا شروع ہو گیا.... لیکن میز اوپر نہ اٹھ سکی.... جادوگر کا
چہرہ سرخ ہو گیا.... اس کے چہرے سے پسینہ ٹپکنے لگا.... اور آخر اس
نے ہار مان کر کہا۔

"آپ میں بہت زیادہ طاقت ہے.... یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ
آنکھوں کی طاقت ہے یا جادو"۔

"خالص آنکھوں کی.... جادو تو مجھے آتا ہی نہیں"۔

"اب آپ بھی تو میز اٹھا کر دکھائیں"۔ پروفیسر غالب نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے.... یہ کیا مشکل ہے.... اگر آپ کہیں تو میں اس
میز کو چھت کے ساتھ لگا سکتا ہوں"۔

"اوپر چھت کے ساتھ.... اس قدر اونچائی تک"۔ کئی آوازیں

ابھریں۔

"اور جب تک میں نہ چاہوں.... میز نیچے نہیں آئے گی"۔

"اوہ"۔ بہت سی آوازیں ابھریں۔

"بلکہ یہ تو کچھ بھی نہیں.... آپ میں سے کوئی، کوئی وزنی چیز
اچھالیے ذرا"۔

"جی کیا مطلب؟"

"کوئی پیپر ویٹ اوپر اچھالیں.... سٹیج کی طرف کر کے اچھال
دیں.... تاکہ کسی کے سر پر گرنے کا خطرہ اگر آپ محسوس کر رہے ہوں
تو وہ بھی نہ کریں"۔

ایک شخص نے ایک پیپر ویٹ اٹھا کر اوپر اچھالا.... اس کے
ساتھ ہی پروفیسر المان نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں.... اور پھر سب نے
دیکھا.... پیپر ویٹ اوپر ہی رک گیا تھا.... اور بالکل ساکت ہو گیا تھا....
سب اس کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

"اب دیکھئے.... میں اپنی آنکھوں کی طاقت اس پر سے ہٹا رہا
ہوں.... یہ نیچے نہیں گرے گا"۔

یہ کہہ کر اس نے نظریں ہٹا لیں.... لیکن پیپر ویٹ وہیں جما رہا۔

"یہ میز اوپر جا رہی ہے.... یہ بھی نیچے نہیں آئے گی جب تک
کہ میں نہ چاہوں گا"۔

میز اوپر جا کر تھم گئی۔

"یہ بھی کچھ نہیں.... اب آپ سب مل کر اپنے چمچے چمچے
وغیرہ اوپر اچھالنا شروع کر دیں"۔

"کیا مطلب؟" وہ سب حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"آپ اچھالیے.... بے فکر ہو کر.... آپ کے سروں پر کوئی
نہیں گرے گی"۔

لوگوں نے پاگلوں کے سے انداز میں اپنی میزوں پر سے چمچے
اٹھا کر اچھالنا شروع کر دیں.... اس کھیل میں شوکی برادرز اور پروفیسر
غالب بھی پیچھے نہ رہ سکے.... یہاں تک کہ ہوٹل کے ہال کی چھت سے
چمچے.... کانٹے اس طرح لٹکے نظر آنے لگے.... جیسے چمگادڑیں لٹکی
ہوں.... سب لوگ ان کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے.... مارے حیرت
ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"اب اگر میں اپنی آنکھوں کی طاقت واپس کھینچ لوں تو یہ
کے سب آپ کے سروں پر گریں گے.... لہٰذا میں ان سب کو
آنکھوں کی طاقت سے سٹیج کی طرف کھینچ رہا ہوں۔

جلد ہی سب چمچے گویا تیرتے ہوئے سٹیج کی طرف جانے لگے
اور آخر سٹیج پر آ گرے.... ایسے میں ہوٹل کے باہر ایک چیخ
گونجا.... آوازوں میں خوف تھا.... بے پناہ خوف.... سب لوگ
المان کے کمالات کو بھول کر باہر کی طرف دیکھنے لگے.... اور جب
نے لوگوں کو بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتے دیکھا تو سب

اٹھ کر باہر بھاگے.... تاکہ دیکھ سکیں.... یہ کیا ماجرا ہے۔

جب وہ سب باہر نکلے تو انہوں نے اپنی زندگی کا ایک حیران کن
ترین منظر دیکھا.... ایک بہت بڑا پتھر بلا کی تیزی سے نیچے آ رہا تھا....
اس کے نیچے آنے کی رفتار حد درجے تیز تھی.... اس لیے لوگ
بدحواس ہو کر دوڑ رہے تھے۔

"اف مالک! یہ کیا؟" پروفیسر غالب نے مارے خوف کے کہا۔
لیے وہ بھاگ نہیں رہے تھے.... ہوٹل ریحان کے باہر آ کر رک گئے
تھے.... اور شوکی برادرز بھی ان کے پاس کھڑے تھے۔

"شش.... شش"۔ انہوں نے پروفیسر المان کی آواز سنی۔

"شش.... شش.... کیا"۔

"شہاب ثاقب.... یہ شہاب ثاقب لگتا ہے"۔

"نن نہیں"۔ پروفیسر غالب خوف زدہ آواز میں چلائے۔

"کیا اس سے ہمارے شہر کو خطرہ ہو سکتا ہے"۔

تم سوچ بھی نہیں سکتے.... شوکی.... یہ کس قدر بڑا ہے.... شاید
ہمارے شہر سے بھی بڑا"۔

نن نہیں"۔ وہ مارے خوف کے چلائے۔

اور اگر یہ ہمارے شہر پر آ گرا تو شاید کوئی بھی نہ بچے"۔

"اف مالک"۔

"یہ دوڑتے ہوئے لوگ بھلا اس سے کس طرح بچ سکیں گے....

وہ بلا کی رفتار سے مسلسل نیچے آ رہا ہے اور لمحہ بہ لمحہ بڑا ہوتا نظر آ
ہے۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ جوں جوں وہ قریب آتا۔۔۔ بڑا ہوتا ہی نظر آ سکتا
نہ کہ چھوٹا ہوتا"۔

"میں۔۔۔ میں اسے روکوں گا"۔ ایسے میں پروفیسر المان کی آ
گونجی۔۔۔ بہت سے لوگ نے اس کی آواز کو سنا۔۔۔ لیکن کسی کو یقین
آیا۔۔۔ بھلا آنکھوں کی طاقت سے پورے ایک شہر جتنا بڑا پتھر کوئی روک
سکتا تھا۔۔۔ لہٰذا انہوں نے بھاگنا جاری رکھا۔

اور پھر پروفیسر المان نے اپنی نظریں پتھر پر جما دیں۔۔۔ وہ بالکل
ساکت ہو گیا۔۔۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔۔۔ شو
برادرز اور پروفیسر غالب باری باری پتھر کی طرف اور پروفیسر المان
طرف دیکھ رہے تھے۔

"اف مالک۔۔۔ مجھے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑ رہا ہے"۔

"آپ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے پروفیسر
صاحب۔۔۔ یہ شہاب ثاقب ہے۔۔۔ خلا میں گردش کرنے والے کروڑوں
اربوں پتھروں میں سے ایک۔۔۔ پہلے بھی زمین پر شہاب ثاقب گرتے
رہتے ہیں۔۔۔ لیکن اتنا بڑا شہاب ثاقب گرتے زندگی میں پہلی بار دیکھ
رہے ہیں۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

"یا تو میں اس پتھر کو روکوں گا۔۔۔ یا اس کے نیچے دب کر ختم ہو
جاؤں گا۔۔۔ اب ہم بھاگ کر جائیں گے بھی کہاں"۔ پروفیسر المان نے

کہا۔

"یہ تو خیر آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ جو لوگ ہم سے بہت پہلے
بھاگ چکے ہیں۔۔۔ وہ ہی کون سے بچ جائیں گے۔۔۔ جب تک یہ لوگ
شہر سے باہر جائیں گے۔۔۔ پتھر نیچے آ گرے گا اور سب کے سب دب
جائیں گے"۔

"گویا اب بچنے کی کوئی صورت نہیں"۔ شوکی بولا۔

"نہیں"۔ پروفیسر غالب بولے۔

"میں۔۔۔ میں اپنا زور لگا رہا ہوں۔۔۔ آپ لوگ بس دیکھتے
جائیں"۔

"آنکھوں کی طاقت سے اتنے بڑے پتھر کو روکنا۔۔۔ دیوانے کا
خواب ہے پروفیسر المان"۔ پروفیسر غالب بولے۔

"اور میں اس خواب کو پورا کر کے دکھاؤں گا۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ
دیکھئے۔۔۔ پتھر کے گرنے کی رفتار کم ہو رہی ہے"۔

"یہ صرف آپ کا احساس ہے۔۔۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے"۔
پروفیسر غالب بولے۔

"نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ دیکھیں"۔

انہوں نے دیکھا۔۔۔ پتھر بہت اونچائی پر رک گیا تھا۔

○☆○

خبر

اخبار کی خبر نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔۔۔ وہ جو ایک
ساتھ جھکے تو ان کے سر زور سے ٹکرائے۔

"دیکھ کر نہیں جھک سکتے تھے تم"۔ محمود نے جھلا کر فاروق کو
گھورا۔

"اور تم دیکھ کر نہیں جھک سکتی تھیں"۔ فاروق نے فرزانہ کو
گھورا۔

"اور تم محمود! دیکھ کر نہیں جھک سکتے تھے"۔ فرزانہ نے محمود کو
گھورا۔

"بس بس۔۔۔ رہنے دو تم لوگ۔۔۔ جھک چکے تم دیکھ بھال کر۔
بات کیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے غسل خانے سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اس خبر پر جھک کر دکھائیں"۔ فاروق مسکرایا۔

"کس پر"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی اخبار کی ایک خبر پر"۔

"لاؤ۔۔۔ میں دیکھتا ہوں۔۔۔ تمہیں بھی پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔

کہ تم اپنے سر بچا سکو"۔

"اور ناشتا کیا میں کروں گی۔۔۔ خبر میں پڑھ دیتی ہوں۔۔۔ آپ سننے
کے ساتھ ساتھ ناشتا کر لیں"۔

"یہ بھی ٹھیک رہے گا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

انہوں نے جونہی خبر کی سرخی پڑھی حیرت زدہ رہ گئیں۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ کیسی خبر ہے"۔

"جیسی بھی ہے بیگم۔۔۔ بس تم سنا دو۔۔۔ میں ذہنی طور پر سننے کے
لیے تیار ہوں"۔

"جی نہیں۔۔۔ میں نہیں سناؤں گی۔۔۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا
ہے"۔

"تمہارا مطلب ہے۔۔۔ خبر کی سرخی پڑھ کے"۔

"نہیں! اس خیال سے کہ خبر سن کر آپ کہیں اڑنچھو نہ ہو
جائیں"۔

"کیا یہ خبر جادوئی ہے۔۔۔ تو پھر تم کیوں اڑنچھو نہیں ہوئیں"۔
انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ میرا مطلب درست سمجھ کر بھی جان بوجھ کر غلط سمجھ
رہے ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ کہیں آپ سفر کی نہ ٹھان لیں"۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ وہ تو ہم ٹھانتے ہی رہتے ہیں"۔

"ہاں اور کیا۔۔۔ سفر کی ٹھاننے کے سوا ہمارے لیے اور کام ہی کیا

رہ گیا ہے"۔

"بس سن چکا میں خبر"۔

"اچھا کمال ہے۔۔۔ آپ کب سن چکے۔۔۔ اور اگر سن بھی
ہیں تو کچھ ہمیں بھی سنا دیجئے"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"دھت تیرے کی"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلا کر اپنی ران پر
مارا۔

"ہائیں ہائیں۔۔۔ ابا جان! کہیں آپ کی روح میں میرا جسم
نہیں حلول کر گیا"۔ محمود نے گڑبڑا کر کہا۔

"جملہ تو درست بول دیا کرو"۔ فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیوں! میں نے کیا کہا ہے؟" محمود نے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی پہلے خبر تو سن لینے دو۔۔۔ کہیں باسی ہو گئی تو"۔ انسپکٹر
جمشید جھلا اٹھے۔

"جی۔۔۔ کیا چیز باسی ہو گئی تو"۔ فرزانہ بولی۔

"خبر۔۔۔ اور کیا"۔

"لیکن۔۔۔ یہ تو آج کا ہی اخبار ہے ابا جان"۔

"بھئی اگر ہم سے پہلے کسی اور نے پڑھ لی تو باسی ہو گئی نا"۔

"آپ کا مطلب ہے۔۔۔ شہر میں سے کسی نے بھی"۔

"نہیں۔۔۔ شہر میں سے تو نہ جانے کتنے پڑھ چکے ہوں گے۔
میرا مطلب' پروفیسر داؤد اور خان رحمان سے تھا"۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔۔۔ لیجئے پھر ہم ایک طرف ہو جاتے ہیں۔۔۔
ابی جان آپ خبر شروع کریں"۔

"اچھا"۔ انہوں نے کہا اور اخبار پر نظریں جما دیں۔۔۔ لیکن اس
سے پہلے کہ وہ خبر پڑھنا شروع کرتیں۔۔۔ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"لیجئے ہو گئی باسی"۔ انہوں نے آہ بھری۔

"تب پھر فون سننے سے پہلے خبر سن لیں"۔ بیگم جمشید جلدی سے
بولیں۔

"اب کیا فائدہ"۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور
بولے۔

"السلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام جمشید۔۔۔ تم نے آج کے اخبار کی سب سے حیرت
انگیز خبر پڑھی"۔

"دیکھا۔۔۔ میں نے کہا تھا نا"۔ وہ ان سے بولے۔

"کیا کہا تھا۔۔۔ مجھ سے اور کب کہا تھا۔۔۔ جمشید۔۔۔ تمہاری
طبیعت تو ٹھیک ہے"۔

"یار یہیں آ جاؤ"۔

"یہی تو میں سوچ رہا تھا"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"کیا سوچ رہے تھے"۔

"یہ کہ یہیں آ جاؤں"۔

"ہاں ہاں آ جاؤ۔۔۔ لیکن ناشتا تو تم کر چکے ہو گے"۔ انسپکٹر جمشید نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دوبارہ کر سکتا ہوں۔۔۔ فکر نہ کرو"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ بیگم۔۔۔ مزید ناشتہ تیار کر لو"۔

"کوئی ضرورت نہیں"۔ بیگم جمشید نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیا کہا۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں"۔

"ہاں! اس لیے کہ میں نے پہلے ہی زائد تیار کر رکھا ہے"۔

"لیکن کیوں۔۔۔ کیا تمہیں پتا تھا کہ خان رحمان یا پروفیسر صاحب آئیں گے"۔

"نہیں۔۔۔ پتا نہیں تھا۔۔۔ لیکن میرے دل میں کوئی نہ کوئی یہ کہتا رہا ہے کہ آج کوئی آ رہا ہے"۔

"اوہ! تب تو ٹھیک ہے۔۔۔ آ جاؤ خان رحمان۔۔۔ جو بات ہے۔۔۔ یہیں بیٹھ کر کر لیں گے"۔

"سمجھ لو۔۔۔ پہنچ گیا"۔

"سمجھ لیا۔۔۔ شکریہ"۔ انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

عین اسی وقت پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"یہ ضرور پروفیسر داؤد ہوں گے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور اٹھا لیا۔

"السلام علیکم"۔ وہ بولے۔

"ابا۔۔۔ جمشید۔۔۔ میں نے آج ابھی ابھی اخبار میں ایک خبر پڑھی ہے۔۔۔ بس مجھ سے رہا نہ گیا۔۔۔ فوراً تمہیں بتانے کے لیے فون کرنے پر مجبور ہو گیا"۔

"بہت بہت شکریہ۔۔۔ آپ بھی یہیں آ جائیں"۔

"یہ۔۔۔ بھی سے کیا مراد ہے جمشید"۔

"مطلب یہ کہ خان رحمان پہلے ہی اس بارے میں فون کر چکے ہیں اور میرے کہنے پر ادھر کے لیے روانہ ہو چکے ہیں"۔

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔۔۔ میں بھی آ رہا ہوں"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ یہیں اس خبر پر بات کر لیں گے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کمال ہے ابا جان! ابھی ہم نے صرف اس خبر کی سرخی پڑھی ہے۔۔۔ اور آپ کو تو سرخی بھی معلوم نہیں۔۔۔ اور آپ نے دونوں انکلز کو یہاں بلا لیا ہے"۔

"چلو کوئی بات نہیں چھٹی کا دن ہے۔۔۔ ذرا تفریح رہے گی"۔

"تو آپ کا موڈ تفریح کے لیے کہیں جانے کا نہیں ہے"۔

"تفریح رہے گی اور تفریح کے لیے کہیں جانے میں بہت فرق ہوتا ہے بھئی"۔ وہ مسکرائے۔

"گویا اب خبر سننے کے لیے انکلز کا انتظار کرنا پڑے گا"۔

"نہیں.... اگر تم پہلے سننا چاہتے تو پہلے سن لو"۔

"جی نہیں.... بس.... اب تو ان کے ساتھ ہی سنیں گے"۔

اور پھر پروفیسر داؤد اور خان رحمان وہاں ایک ساتھ پہنچے.... علیک سلیک ہوئی.... پھر ناشتا کیا گیا.... اس کے بعد وہ اس خبر کو لے کر بیٹھ گئے۔

"اب خبر کون سنائے گا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں سنا دیتا ہوں"۔ محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... سناؤ"۔

"جی سنیں.... اڑھائی ہزار سال پرانی کتاب کی دریافت"۔

"کیا پڑھا.... اڑھائی ہزار سال پہلے کی کتاب کی دریافت.... اور یہ کتاب ملی کہاں سے"۔

"دنیا کے ایک طویل ترین غار سے.... سنا ہے.... ابھی اس غار میں اور چیزوں کی تلاش جاری ہے اور بے شمار چیزیں وہاں سے ملنے کی امید ہے"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ الفاظ بھی خبر کا حصہ ہیں یا تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو"۔

"یہ بھی اس خبر کا حصہ ہیں"۔

"اچھا آگے پڑھو"۔

محمود خبر پڑھنے لگا۔

"ایک غار سے ایک چرواہے کو ایک کتاب ملی ہے جس کے

ے میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ اڑھائی ہزار سال پرانی ہے.... یہ کتاب کافی حد تک شکستہ ہے.... کئی پھٹی ہے.... اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے.... لیکن جتنا حصہ پڑھنے کے قابل ملا ہے.... اس کو دنیا کی زبانیں جاننے کے ماہرین نے پڑھا ہے اور ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں.... ترجمہ کرنے والوں کی تعداد بیس کے قریب ہے.... تحریر پر غور کیا گیا.... اس میں وقت کی اہم ترین باتیں درج ہیں.... اس کتاب میں سینکڑوں پیش گوئیاں ہیں.... جن میں سے ان گنت پوری ہو چکی ہیں.... اور جو آئندہ پوری ہوں گی.... ان کی تفصیل یہ ہے.... اس وقت جب کہ آپ یہ خبر پڑھ رہے ہیں.... حساب کتاب کے مطابق اب سے ٹھیک اڑھائی سال بعد پوری دنیا میں ایک مذہب بہت تیزی سے پھیلے گا.... اور ایک شخص پوری دنیا پر حکمران ہو گا.... اس کی مدد کے لیے بیت المقدس میں کروڑوں فرشتے آسمان پر ظاہر ہوں گے.... یہ فرشتے دوسرے سیاروں کے شیطانی مخلوق کو مار بھگائیں گے.... وہ حضرت عیسیٰ ہوں گے.... جو دنیا میں ظاہر ہوں گے.... وہ مکمل بچے کی صورت میں نہیں.... ایک پورے انسانی کی صورت میں ظاہر ہوں گے.... پوری دنیا ان کے تابع ہو گی.... کتاب میں اور بھی ان گنت پیش گوئیاں موجود ہیں.... یہ بھی لکھا ہے کہ اس غار میں اور بھی ان گنت چیزیں موجود ہیں.... کتاب کی تحریر کی ان گنت کاپیاں تیار کروا کے دنیا کی سب سے بڑی لائبریری میں رکھ دی گئی ہیں.... جن کو پڑھنے کی عام اجازت

ہے۔۔۔ لیکن کوئی فوٹوسٹیٹ کاپی ساتھ لے جانے اجازت نہیں ہے
یہ کتاب آج سے ۴ سال پہلے اس گڈریے کے ہاتھ لگی تھی"۔

محمود یہاں تک خبر پڑھ کر خاموش ہو گیا۔۔۔ انسپکٹر جمشید
زور سے چونکے۔

"کیا کہا۔۔۔ چار سال پہلے"۔

"ہاں جمشید۔۔۔ چار سال اس کے ترجمے میں اور کاپیاں
کروانے میں لگ گئے ہوں گے"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"اس خبر کا مطلب پتا ہے کیا ہے۔۔۔ اس وقت تک گویا
عیسیٰ علیہ السلام نمودار ہو چکے ہوں گے"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ کیا یہ بات ہمارے قرآن اور احادیث
مطابق ہے اباجان؟"

"ہمارا قرآن یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ
نے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔۔۔ اور وہ دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے۔۔۔
کب نازل ہوں گے۔۔۔ یہ نہیں بتایا گیا۔۔۔ نہ احادیث میں اس
اشارہ کیا گیا۔۔۔ احادیث میں صرف اتنی بات آتی ہے کہ قیامت
نزدیک ظاہر ہوں گے۔۔۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ۔۔۔ وہ ہمارے
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق زندگی گزاریں گے
دنیا میں اسلام کا بول بالا کریں گے"۔

"ابھی خبر ختم نہیں ہوئی اباجان"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ باقی خبر بھی پڑھ ڈالو"۔

"سنیں"۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نمودار ہوں گے۔۔۔ تو ان کے
مخالفوں پر پتھروں کی بارش عام ہو گی۔۔۔ جو ان کے مذہب پر ہوں
گے۔۔۔ سچائی پر ہوں گے۔۔۔ ان پر پتھروں کی بارش ہرگز نہیں ہو گی۔۔۔
اور یہ سب سے بڑا ثبوت ہو گا۔۔۔ اس مذہب کی سچائی کا۔۔۔ جس پر وہ
لوگ عمل پیرا ہوں گے۔۔۔ جہاں پتھروں کی بارش نہیں ہو گی۔۔۔ لہٰذا
لوگ پتھروں کی بارش کو دیکھ کر اس مذہب کو قبول کر لیں گے اور پوری
دنیا ایک مذہب کے تابع ہو جائے گی"۔

"ہوں!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا خبر ختم ہو گئی؟"

"جی ہاں! بس۔۔۔ باقی تفصیلات تو کتاب میں ہی ہو سکتی ہیں"۔

"تو پھر چلو۔۔۔ ہم اس کتاب کا مطالعہ کریں گے"۔

"جی! کیا مطلب۔۔۔ ابھی چلیں"۔

"ہاں! ابھی اور اسی وقت۔۔۔ ظاہر ہے یہ نسخہ بیت المقدس میں
بھی رکھا گیا ہے"۔

"جی۔۔۔ ہمیں تو اس بارے میں معلومات نہیں ہیں"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ میں ابھی معلومات حاصل کرتا ہوں"۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔۔۔ انہوں نے بے خیالی میں

ریسیور اٹھایا اور بولے۔

"السلام علیکم۔۔۔ انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"جمشید۔۔۔ تم فوراً میرے پاس پہنچو"۔ صدر صاحب کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"لو بھئی۔۔۔ یہ چھٹی تو ہو گئی گول"۔

"تو ہم بھی گول کر لیتے ہیں آپ کے ساتھ"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ تم بھی چلو"۔

وہ انہیں ساتھ لے کر ایوان صدر پہنچے۔۔۔ صدر صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے۔۔۔ آپ نے کوئی بہت پریشان کن خبر سنی ہے"۔

"ہاں جمشید۔۔۔ مشرقی حصے کے سب سے اہم شہر۔۔۔ مسکن آباد کے اوپر ایک بہت بڑا شہاب ثاقب گرنے کے لیے بالکل تیار ہے"۔

"کیا مطلب۔۔۔ گرنے کے لیے تیار ہے"۔ وہ سب ایک آواز میں بولے۔

"میں اس خبر پر یقین نہیں کر سکتا۔۔۔ تاہم آدھ گھنٹے تک مزید تفصیلات معلوم ہو جائیں گی۔۔۔ فی الحال میرے ایک نائب نے اطلاع دی ہے کہ ایک بہت بڑا شہاب ثاقب کافی اوپر سے نیچے آتے دیکھا گیا تھا۔۔۔ لیکن پھر وہ کافی بلندی پر اچانک رک گیا"۔

"اچانک رک گیا۔۔۔ گویا وہیں اٹک گیا"۔

"ہاں!" وہ بولے۔

"یہ بات ذہن میں کیسے اتر سکتی ہے"۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔۔۔ لیکن میرے نائب کا کہنا ہے کہ جو اس نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔۔۔ وہ بیان کیا ہے۔۔۔ وہ کوئی سنی بات نہیں بتا رہا۔۔۔ لیکن اس نے ایک اور بات بھی کہی ہے"۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ اس پتھر کو کسی شخص نے اپنی آنکھوں کی طاقت سے روک رکھا ہے"۔

"کم از کم میں اس خبر پر یقین نہیں کر سکتا۔۔۔ آپ خود سوچیں۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ لیکن میں اپنے نائب کے بارے میں کیا کروں"۔

"کوئی ان کی کن پٹی پر پستول رکھ کر ایسی خبر ہم تک پہنچا سکتا ہے۔۔۔ یہ کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے۔۔۔ تاکہ آپ فوراً وہاں کے لیے روانہ ہو جائیں۔۔۔ کیا آپ ہماری آمد سے پہلے ہی جہاز کو تیاری کا حکم دے چکے ہیں"۔

"ہاں! وہ تو ظاہر ہے"۔

"لیکن ہم ابھی نہیں جائیں گے۔۔۔ پہلے تصدیق کر لوں"۔

یہ کہہ کر انہوں نے شوکی کے گھر کے نمبر ملائے۔
طرف سے رفعت کی آواز سنائی دی۔
"السلام علیکم۔ انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔
"اوہ انکل۔ آپ۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔ ہمارے
شاید قیامت ٹوٹنے والی ہے"۔
"قیامت۔ کیا مطلب"۔
"ایک بہت بڑا پتھر ہمارے سروں پر آکر ٹک گیا ہے"۔
"کیا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو رفعت"۔
"جی انکل۔ میں کیا۔ سارا شہر دیکھ رہا ہے۔ ان
تو شہر سے بے تحاشہ بھاگ رہے ہیں۔ کیونکہ کسی وقت بھی
ہے۔ فی الحال اسے ایک شخص کی آنکھوں کی طاقت نے
ہے"۔
"شوکی برادرز کہاں ہیں؟"
"وہ اس شخص کی آنکھوں کی طاقت کا مظاہرہ دیکھنے
وہ ہوٹل کی چیزیں اپنی آنکھوں کی طاقت سے اوپر اٹھا دیتا
چیزیں فضا میں ہی اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ جب تک کہ وہ
کو ہٹا نہیں لیتا"۔
"یعنی اس طرف دیکھنا بند نہیں کر دیتا"۔ انسپکٹر
پوچھا۔

"جی نہیں انکل۔ جب تک وہ آرڈر نہ کرے۔ کہ اب
نیچے آجائیں۔ اس وقت تک چیزیں فضا میں ہی رہتی ہیں۔
یہ کہ نظریں جمائے رہنا اس کے لیے ضروری نہیں ہے"۔
"تمہارا مطلب ہے رفعت۔ اس نے اگرچہ پتھر پر سے نظریں
ہیں۔ لیکن اب بھی پتھر فضا میں رکا ہوا ہے"۔
"بالکل یہی بات ہے انکل"۔
"اچھا ہم پہنچ رہے ہیں۔ شوکی برادرز آئیں یا ان کا فون
۔ انہیں ہمارا پیغام دے دینا اور کہنا کہ صدر صاحب کے ریسٹ
پہنچ جائیں"۔
"جی بہتر انکل۔ کیا میں بھی ان کے ساتھ آسکتی ہوں"۔ اس
دبی دبی آواز میں پوچھا۔
"ضرور۔ کیوں نہیں"۔ وہ مسکرائے۔
"شکریہ انکل"۔ رفعت کی آواز سے حد درجے پریشانی ٹپک رہی
۔ دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔
"کیوں جمشید۔ اب تو تمہیں یقین ہو گیا نا۔ کہ اطلاع
ہے"۔
"ہاں! لیکن یہ اطلاع سن کر ہی نہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ
بھی میں شاید یقین نہ کر سکوں"۔ انہوں نے کہا۔
"ارے!" فرزانہ بہت زور سے اچھلی۔
اس کی آنکھوں سے بے تحاشہ خوف جھلکنے لگا۔

○☆○

خوف

منور علی خان نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس آدمی کو دیکھ
"کیا کہا آپ نے۔۔۔ ایک بار پھر کہو"۔
"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نمودار ہو چکے ہیں"۔
"ہوش میں تو ہو"۔ وہ بولے۔
"ہاں ہوش میں ہوں۔۔۔ بیت المقدس میں وہ نمودار
ہیں۔۔۔ اور ان کے نمودار ہونے کے ساتھ ہی بے دینوں کے
پتھروں کی بارش شروع ہو گئی ہے۔۔۔ اور یہ سب کچھ میری وجہ
ہے"۔
"کیا کہا۔۔۔ یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہو ہے"۔
"ہاں! میں ایک چرواہا تھا۔۔۔ آج سے چار سال پہلے
چرواہوں کی زندگی گزارتا رہا ہوں۔۔۔ بھیڑ بکریاں چرا کر اپنا
تھا۔۔۔ ایک دن مجھے پہاڑیوں میں ایک غار نظر آ گیا"۔
"غار۔۔۔ اچھا تو پھر"۔
"میں بے خیالی میں اس غار میں گھس گیا۔۔۔ یہ سوچ کر

اندر سے کوئی قیمتی چیز مل جائے۔۔۔ غار اندر سے بہت عجیب و غریب
تھا۔۔۔ اور اس کا دوسرا سرا نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔۔۔ میں آگے بڑھتا چلا
گیا۔۔۔ آگے جا کر غار میں ایک کمرہ سا بنا نظر آیا۔۔۔ لیکن کمرہ نظر آنے
کا مطلب یہ نہیں کہ غار آگے سے بند نظر آنے لگا تھا۔۔۔ جی نہیں۔۔۔
وہ بند نہیں تھا۔۔۔ اس کا سلسلہ اور آگے چلے گیا تھا۔۔۔ لیکن میں اس
کمرے میں اٹک کر رہ گیا۔۔۔ اس میں پتھر کا ایک صندوق رکھا تھا۔۔۔
بہت ہی بھاری۔۔۔ میں نے خیال کیا۔۔۔ اس میں ضرور کوئی خزانہ ہے۔۔۔
میں نے اس کا ڈھکن اٹھانا چاہا۔۔۔ لیکن وہ بہت وزنی تھا۔۔۔ اس قدر
وزنی کہ کیا بتاؤں۔۔۔ پورا زور لگانے پر بھی میں اسے نہ اٹھا سکا۔۔۔ آخر
میں اپنے گھر گیا۔۔۔ اپنے باپ اور ماں کو ساتھ لے کر غار میں پہنچا۔۔۔
اب ہم نے ڈرتے ڈرتے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا۔۔۔ اور یہ دیکھ کر ہماری
مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس میں ایک بہت بڑے سائز کی کتاب
موجود تھی۔۔۔ ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب۔۔۔ لیکن الفاظ پڑھے نہ جا
سکے۔۔۔ نہ جانے وہ کون سی زبان تھی۔۔۔ خیر۔۔۔ ہم کتاب کو اپنے گھر
لے آئے۔۔۔ آس پاس کے کچھ لوگوں کو کتاب دکھائی۔۔۔ لیکن کسی نے
توجہ نہ دی۔۔۔ پھر ہم ایک یونیورسٹی کے پروفیسر کے پاس گئے۔۔۔ میرے
والد کسی زمانے میں ان کی بکریاں چراتے رہے تھے۔۔۔ کتاب انہیں
دکھائی۔۔۔ انہوں نے کہا کہ کتاب کو پڑھنے کی کوشش کروں گا۔۔۔ اس
کے بعد انہوں نے کئی زبانیں جاننے والے ماہرین کی خدمات حاصل

کیں... تب کہیں جا کر وہ کتاب کا ترجمہ کرنے کے قابل ہو سکے۔
کتاب حد درجے بوسیدہ تھی... کئی جگہ سے گل سڑ گئی تھی... ا
کے ورق کناروں پر سے جھڑ گئے تھے... اور اس کا رنگ زردی ما
سیاہ پڑ گیا تھا... لیکن ترجمہ کرنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ کتاب بہ
اہم ہے... اس میں بے شمار پیش گوئیاں لکھی ہوئی تھیں... کیس
قیامت کے بارے میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں... ا
میں سارا حساب کتاب تک لگایا گیا تھا کہ وہ کب آئیں گے... ان
آنے کے بعد کیا کچھ ہو گا... قیامت سے پہلے کیا کچھ ہو گا وغیر
وغیرہ... اس میں یہ بھی تھا کہ فلاں سن میں حضرت عیسیٰ آئیں گے
ان پروفیسر صاحب نے وہ کتاب ترجمے کے ساتھ حکومت کے حوالے
دی اور اس طرح میرے بارے میں حکومت کو پتا چلا... حکومت
مجھے بہت بڑا انعام دیا... اس انعام سے اب میں نے یہ کوٹھی
ہے اور بقیہ روپیہ بنک میں جمع کرا دیا ہے... لہٰذا اب عیش کر
ہوں"۔

جنگل کے کنارے بنے اس مکان میں منور علی خان نے ا
رات گزارنے کا ارادہ کیا تھا... انہیں کیا معلوم تھا کہ اس چرواہے
ملاقات ہو گی اور یہ کہانی انہیں سننی پڑے گی... اس کی کہانی سن
بولے۔

"وہ غار یہاں سے کتنی دور ہے"۔

"دور تو ہے... لیکن آپ وہاں جا سکتے ہیں"۔
"کیا آپ صبح سویرے ساتھ چل سکیں گے"۔
"ضرور کیوں نہیں... اب تو میں یہی کام کرتا ہوں"۔ وہ مسکرایا۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
"سیاحوں کو اس غار تک پہنچا آتا ہوں اور اپنی فیس لے لیتا ہوں"۔
"بہت خوب!... میں بھی آپ کو آپ کی فیس دوں گا"۔
"تو پھر صبح چلیں گے"۔
"ہاں ٹھیک ہے"۔ انہوں نے کہا۔
دوسری صبح وہ اس کے ساتھ اس غار تک پہنچ گئے۔
"کیا حکومت نے اس غار کی تلاشی لی تھی... میرا مطلب ہے... کتاب کے ترجمے کے بعد"۔
"جی نہیں... حکومت نے کوشش نہیں کی... ہاں لوگوں نے کی ہے... لیکن اس غار کے آخر تک کوئی بھی نہیں جا سکا... آگے چل کر غار بہت دشوار گزار ہو گیا ہے"۔
"اوہ اچھا"۔
دوسری صبح وہ اس کے ساتھ غار تک پہنچے... وہاں کافی رونق تھی... غار کے باہر اب دکانیں بن چکی تھیں... گویا اب یہ ایک تفریحی

مقام بن چکا تھا۔۔۔ گڈریے کو اس کی فیس ادا کر کے وہ غار میں دا
ہو گئے۔

اور لوگ بھی غار کے اندر گھوم پھر رہے تھے۔۔۔ وہ آگے بڑ
چلے گئے۔۔۔ ایک جگہ لکھا نظر آیا۔۔۔ اس سے آگے جانا خطرناک ہے
آگے نہ جائیں۔۔۔ ورنہ ذمے دار آپ خود ہوں گے۔

منور علی خان اس صندوق کے پاس پہنچے۔۔۔ اس کا ڈھن اٹھا
دیکھا۔۔۔ اب اس میں کیا تھا۔۔۔ خالی تھا۔۔۔ آخر وہ غار سے باہر آ
آئے۔۔۔ اور شہر پہنچ کر انسپکٹر کامران مرزا کو فون کیا۔۔۔ وہ اتفاق سے
مل گئے۔

"آہا! منور علی خان۔۔۔ یہ تم ہو"۔ وہ چہکے۔

"ہاں! میں اس وقت بیت المقدس میں موجود ہوں۔۔۔ ا
تمہاری بھی یہاں ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ لہٰذا پہلی فرصت م
چلے آؤ۔۔۔ میں ہوٹل غازان کے کمرہ نمبر 203 میں ٹھہرا ہوا ہوں"۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی بہت خاص بات ہے"۔

"ہاں! بالکل۔۔۔ خاص سے بھی کچھ زیادہ ہے"۔

"اچھا تو ہم بہت جلد آ رہے ہیں۔۔۔ تم فکر نہ کرنا"۔

"فکر کرنے پر تو خیر میں مجبور ہوں"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ خیر ہم آ رہے ہیں"۔

اسی روز شام کو وہ ہوٹل غازان کے کمرہ نمبر 203 ایک دوسر

کے سامنے بیٹھے تھے۔۔۔ اور منور علی خان انہیں اس غار اور کتاب کے
بارے میں بتا رہے تھے۔۔۔ وہ سکتے کے عالم میں سن رہے تھے۔۔۔ آخر
منور علی خان خاموش ہو گئے۔

"تم نے بہت اچھا کہ منور علی خان۔۔۔ کہ ہمیں یہاں بلا لیا۔۔۔
ہم پہلے اس غار کو دیکھیں گے اور پھر اس کتاب کا ترجمہ پڑھیں گے۔۔۔
پھر دیکھیں گے۔۔۔ یہ چکر کیا ہے؟"

"میں نے یہاں ہوٹل میں بھی اس کتاب کے بہت چرچے سنے
ہیں۔۔۔ ویسے ایک خوفناک بات یہ اس کتاب میں لکھی ہے کہ جب
حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو جتنے لوگ بھی غلط مذہبوں پر ہوں
گے۔۔۔ ان کے شہروں پر پتھروں کی بارش ہو گی"۔

"آپ یہ سن کر کیوں فکرمند ہو گئے انکل؟" آصف نے حیران
ہو کر کہا۔

"پتا نہیں۔۔۔ میں کیوں فکرمند ہو گیا ہوں"۔

"ہمیں احادیث کا مطالعہ کرنا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی آمد کن حالات میں ہو گی"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"مجھے وہ کیس یاد آ رہا ہے۔۔۔ جب ان لوگوں نے ایک نقلی مسیح
اوپر سے نیچے اتارا تھا۔۔۔ اف مالک۔۔۔ اس وقت کس قدر خوفناک
حالات ہو گئے تھے۔۔۔ کیوں نہ ہم جمشید پارٹی کو بھی یہیں بلا لیں"۔

(☆ باطل قیامت پڑھیے)

"یہ خبر اب تک وہ بھی سن چکے ہوں گے۔۔۔ لہٰذا وہ خود
یہاں پہنچ جائیں گے۔۔۔ فکر نہ کرو"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اور شوکی برادرز!" آفتاب نے فوراً کہا۔

"ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں بھی بلا لیں گے"۔

"میں تو کہتا ہوں۔۔۔ ضرورت محسوس نہ بھی ہو تو بھی انہیں
لیں۔۔۔ ذرا ایک بار پھر ہم مل بیٹھیں گے"۔

"دیکھا جائے گا۔۔۔ پہلے تو ہم اس غار کو دیکھیں گے"۔

دوسرے دن وہ صبح سویرے غار کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔ انہوں
نے سیاحوں جیسے لباس پہن رکھے تھے اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں
ان کے پاس تھیں۔۔۔ غار کے پاس رونق دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

"یہ تو باقاعدہ تفریحی مقام بن گیا ہے"۔

"ہاں! اس کتاب کی وجہ سے لوگ اس غار کو بڑی تعداد میں
دیکھنے کے لیے آنے لگے ہیں۔۔۔ ہر وقت میلہ سا لگا رہتا ہے"۔

"بلکہ اب تو غار پر ٹکٹ بھی لگا دیا گیا ہے"۔ انسپکٹر منور علی
خان مسکرائے۔

"وہ ٹکٹ خرید کر اندر داخل ہوئے۔۔۔ سب سے پہلے اس
صندوق تک پہنچے۔۔۔ انہوں نے بغور اس صندوق کا جائزہ لیا۔۔۔ پھر
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کیا خیال ہے؟"

"وہی جو آپ کا ہے"۔ آفتاب فوراً بولا۔

"چلو جو میرا خیال ہے۔۔۔ وہ بتا دو"۔ انہوں نے اسے گھورا۔

"اب ہمیں کیا معلوم۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے"۔ آفتاب نے
گھبرا کر کہا۔

"یار تم سے تو مغز مارنا ہی فضول ہے۔۔۔ آصف تم بتاؤ"۔

"جی میں۔۔۔ اس صندوق کے بارے میں۔۔۔ ارے ہاں! یہ پتھر کا
بنا ہوا ایسا صندوق ہے جسے بہت نفاست سے تراشا گیا ہے"۔ اس نے
گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"او ہو تم"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

"شکریہ بہت بہت"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اپنے آپ کو الو کہلوا کر کس قدر خوش ہو رہے ہیں بھائی
صاحب"۔ آفتاب ہنسا۔

"تم چپ رہو"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اسے ڈانٹا۔۔۔ پھر فرحت
کی طرف مڑے۔

"تم کچھ کہو گی فرحت؟"

"جی انکل۔۔۔ کہوں نہیں۔۔۔ اس صندوق میں سے اڑھائی ہزار
سال پرانی کتاب نکالی گئی ہے۔۔۔ گویا یہ صندوق بھی اڑھائی ہزار سال
پرانا ہے۔۔۔ یہ پرانا نظر ضرور آ رہا ہے۔۔۔ لیکن صرف باہر سے۔۔۔ اندر
سے نہیں"۔ فرحت نے جلدی جلدی کہا۔

"معاف کیجئے گا۔۔۔ آپ لوگ تو اس صندوق سے چپک ہی گئے ہیں۔۔۔ کئی اور لوگ بھی صندوق کو دیکھنے کے لیے آپ کے پیچھے جمع ہو چکے ہیں"۔ کسی نے انگریزی میں کہا۔

"اوہ! ہمیں افسوس ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا چونکے' پھر وہ ان کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے۔

"شاید ہم غلط وقت پر آئے ہیں"۔ وہ بڑبڑائے۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟"

"ہمیں ایسے وقت میں آنا چاہیے تھا۔۔۔ جب تماشائی نہ ہوں کے برابر ہوں"۔

"تو اتنی دیر میں ہم غار کو آگے سے دیکھ لیتے ہیں۔۔۔ شاید واپسی تک یہاں کوئی نہ ملے"۔ منور علی خان بولے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ایسا کر لیتے ہیں"۔

وہ آگے بڑھ گئے۔

"ہاں فرحت! تم کیا کہہ رہی تھیں۔۔۔ صندوق صرف باہر سے پرانا نظر آتا ہے۔۔۔ اندر سے نہیں' تو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بیرونی سطح سے گرد وغیرہ ٹکراتی رہتی ہے۔۔۔ اور اڑھائی ہزار سال تک جب عمل ہوتا رہا ہو تو باہر سے صندوق پرانا ہی نظر آئے گا۔۔۔ جب کہ اندرونی سطح سے مٹی اور نمی نہیں لگتی۔۔۔ اس لیے وہ اندر سے نیا نظر آئے گا۔۔۔ لیکن اڑھائی ہزار سال پرانا ہونے کے ناطے اندر سے اسے

اس حد تک نیا نظر نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔ جتنا کہ یہ آ رہا ہے۔۔۔ اس لیے مجھے اس صندوق پر شک ہے"۔

"کمال ہے ابا جان۔۔۔ اب آپ کو زندہ انسانوں کے ساتھ بے جان چیزوں پر بھی شک ہونے لگا ہے"۔ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ہونے لگا ہے۔۔۔ تم بھی غور کرو تو تمہیں بھی ہونے لگے گا"۔

"لیکن اس شک سے ہمیں فائدہ کیا ہو گا"۔

"فی الحال میں کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔ چلو پہلے غار دیکھ لیں"۔

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔۔۔ غار کی دیوار پر کئی جگہ انہیں لکھا نظر آیا کہ غار شام کو پانچ بجے بند کر دیا جاتا ہے۔۔۔ لہٰذا جو لوگ سیر کرنے اندر آئے ہوئے ہیں' وہ پانچ بجے تک باہر نکل جائیں۔۔۔ ورنہ اندر ہی بند ہو کر رہ جائیں گے اور اگلے دن نکل سکیں گے۔

یہ تحریر پڑھ کر انہوں نے اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا۔۔۔ پانچ بجنے میں ابھی بہت وقت تھا۔۔۔ لہٰذا وہ بے فکری سے آگے بڑھتے چلے گئے۔۔۔ اور پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے۔۔۔ جہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں تھی۔۔۔ اس جگہ لکھا تھا:

"آگے غار بہت زیادہ خطرناک ہے۔۔۔ اور اس سے آگے غار میں کیا ہے اور کیا نہیں۔۔۔ یہ کسی کو معلوم بھی نہیں۔۔۔ لہٰذا اس سے آگے جانے کی کوشش نہ کریں۔۔۔ یوں بھی آگے غار بہت زیادہ

دشوار گزار ہے۔ شکریہ"۔

اس جگہ ایک گہری کھائی تھی۔۔۔ اس کھائی کے بعد غار
شروع ہو جاتا تھا۔۔۔ لیکن اس جگہ غار کی زمین برابر نہیں تھی۔۔۔
میں اونچے نیچے گڑھے اور ٹیلے سے بنے ہوئے تھے۔۔۔ اور در
اندازہ تو کھائی کے دوسری طرف جا کر ہی ہو سکتا تھا۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ اس کھائی میں اترا جائے"۔

"ہاں۔۔۔ کیوں نہیں"۔

"سب سے پہلے میں اتروں گا۔۔۔ منور علی خان۔۔۔ تمہارے
میں رسی اور آنکڑا وغیرہ ہے نا"۔

"بالکل ہے"۔

"تو پھر نکالو رسی"۔

منور علی خان نے آنکڑا اوپر سے پھنسا کر رسی نیچے لٹکا دی
انسپکٹر کامران مرزا رسی پکڑ کر نیچے لٹکے ہی ہوں گے کہ کسی نے
کہا۔

"ارے۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔

انہوں نے دیکھا۔۔۔ غار کی سیر کرنے والے کچھ لوگ
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے جناب؟" منور علی خان نے ناخوشگوار انداز
کہا۔

"کیا آپ نے یہ نوٹس نہیں دیکھا؟"

"ہاں دیکھا ہے اور پڑھا بھی ہے۔۔۔ ہم ان پڑھ نہیں ہیں"۔

"گویا آپ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں"۔

"موت کے منہ میں۔۔۔ کیا مطلب؟"

"آپ کی طرح ایک سر پھرا اس طرف چلا گیا تھا۔۔۔ آج تک
لوٹ کر نہیں آیا۔۔۔ پھر اس کی تلاش میں تین اور نکلے۔۔۔ وہ بھی لوٹ
کر نہیں آتے۔۔۔ یہ کہانی یہاں کسی کو معلوم نہیں۔۔۔ صرف مجھے یا غار
کا انتظام کرنے والوں کو پتا ہے"۔

"آپ کون ہیں؟"

"ایک بہت پرانا سیاح۔۔۔ پرانی چیزوں کی تلاش میں رہتا ہوں"۔

"شکریہ۔۔۔ آپ نے خبردار کر دیا۔۔۔ لیکن ہم آگے ضرور جائیں
گے"۔

"تب آپ کا دماغ چل گیا ہے شاید"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم اپنے دماغوں کے خود مالک ہیں۔۔۔ آپ
کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں"۔

وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔۔۔ اور انسپکٹر کامران مرزا نیچے لٹک
گئے۔۔۔ وہ رسی کے ذریعے پھسلتے چلے گئے۔۔۔ یہاں تک کہ ان کے پیر
زمین سے جا لگے۔

"اب تم لوگ بھی آ جاؤ"۔

ان کے بعد آفتاب، آصف اور فرحت بھی آ گئے۔

"منور علی خان... تم کس طرح آؤ گے؟" انسپکٹر کامران بولے۔

"ہاں! یہ بھی ایک سوال ہے... خیر میں کچھ کرتا ہوں"۔ وہ بولے۔

انہوں نے اپنے بیگ کا جائزہ لیا... پھر بولے۔

"میرے پاس ایک رسی اور آنکڑا اور موجود ہے... ہم دوسری طرف جانے کے لیے اس رسی سے کام چلا لیں گے"۔

"تب پھر آ جاؤ"۔

اور وہ بھی نیچے اتر گئے... اب دوسرا آنکڑا نکالا اور اسے بار بار کھائی کے دوسری طرف اچھالنے لگے... آخر آنکڑہ کہیں پھنس گیا۔ منور علی خان نے اس کے ساتھ لٹک کر اس کو آزمایا اور پھر اوپر چڑھنے لگے... سیر کے لیے آنے والے بہت سے لوگ اب کھائی کے کنارے کھڑے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے... شاید وہ انہیں پاگل خیال کر رہے تھے... جلد ہی وہ سب کھائی کے دوسرے سرے پر نظر آئے... انہوں نے تماشائیوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلائے... منور علی خان نے بلند آواز میں کہا۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں... ہم ذرا آگے گھوم پھر کر واپس آئیں گے... غار کے آخری سرے تک"۔

"ادھر موت کے سوا کچھ نہیں ہے"۔

"اگر ہمارا وقت آ گیا ہے تو... آ کر رہے گا... ہم اس کو آنے سے روک نہیں سکیں گے"۔ منور علی خان بولے۔

سب لوگ انہیں فکر فکر دیکھنے لگے... وہ آگے بڑھتے گئے... اس طرف کی رسی اور آنکڑہ انہوں نے اتار لیا تھا... جب کہ دوسری طرف کا آنکڑہ وہیں لگا رہ گیا تھا۔

"کہیں ان میں سے کوئی آپ کا آنکڑہ نہ اکھاڑ لے جائے"۔

"وہ اس کے کس کام کا... یہ صرف میرے کام کی چیز ہے"۔ منور علی خان بولے۔

وہ آگے بڑھنے لگے... اب انہیں ایک ایک قدم سنبھل کر اٹھانا پڑ رہا تھا... کوئی بھی قدم انہیں کسی گڑھے میں گرا سکتا تھا... اور کچھ نہیں تو موچ تو آ ہی سکتی تھی... کچھ اور آگے چلنے کے بعد غار تنگ ہو گیا اور انہیں ایک ایک کر کے چلنا پڑا... گویا اب وہ ایک لائن میں چل رہے تھے... وہ ایک گھنٹے تک چلتے رہے... لیکن غار نے ختم ہونے کا نام نہ لیا۔

"حیرت ہے... آخر یہ غار کتنا لمبا ہے؟"

"اللہ ہی کو پتا ہے... ہم تو بس نکل کھڑے ہوئے ہیں"۔

"پھر اب کیا خیال ہے... کہیں ہم بلاوجہ کوئی مصیبت نہ مول لے لیں"۔ منور علی خان نے کہا۔

"جب اوکھلی میں سر دیا تو پھر موسلوں کا کیا ڈر... بڑھتے چلو

سب"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اچانک انہیں رک جانا پڑا.... منور علی خان سب سے آگے تھے.... اور انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ یک دم آگے کر دیے تھے۔

انہوں نے دیکھا۔ منور علی خان کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔

○☆○

دھوکے باز

پتھر کو فضا میں رکتے دیکھ کر وہ بھونچکے رہ گئے۔

"ہمیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا"۔ شوکی بڑبڑایا۔

"اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں"۔

"کیا اس کو واقعی آپ کی آنکھوں کی طاقت نے روک رکھا ہے"۔

"اس بات کا ثبوت پیش کر سکتا ہوں میں"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب.... آپ ثبوت کس طرح پیش کر سکتے ہیں"۔ محسن نے چونک کر کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے.... آپ ذرا اپنی نظریں پتھر پر جما دیں.... میں اپنی آنکھوں کی طاقت چند سیکنڈ کے لیے ہٹا لیتا ہوں.... جونہی طاقت ہٹ گئی، پتھر پھر سے نیچے آنے لگے گا"۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تجربے میں پتھر نیچے آ گرے"۔

"نہیں.... اس حد تک نیچے نہیں آئے گا.... میں پھر سے طاقت

لگا دوں گا"۔

"اچھا جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ لیکن۔۔۔ یہ خیال رہے۔۔۔ یہ مو
پورے شہر کی زندگی کا ہے"۔ شوکی بولا

پروفیسر المان نے پھر پتھر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔۔۔ اچ
پتھر گرنے لگا۔

"بس بس۔۔۔ اندازہ ہو گیا۔۔۔ اندازہ ہو گیا"۔ شوکی چلایا۔

اور پھر اس نے دوبارہ نظریں جما دیں۔۔۔ ساتھ ہی بولا۔

"گھبرائیں نہیں۔۔۔ پتھر ابھی رک جاتا ہے"۔

چند سیکنڈ بعد پھر پتھر گرنا رک گیا۔۔۔ ان کی جان میں جان آئی
اس منظر کو اور بھی بے شمار لوگوں نے دیکھا۔

"میں اب جا رہا ہوں۔۔۔ آرام کروں گا۔۔۔ کل صبح اس پتھر
سے دور ہٹا کر گرانے کی کوشش کروں گا"۔

"اوہ۔۔۔ تو آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں"۔

"میں نے کہا ہے۔۔۔ کوشش کروں گا۔۔۔ لیکن اس کوشش
میری موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔۔۔ اور میں شہر کے لوگوں کے
آخر اپنی جان کیوں دوں"۔

"کیا جان جانا لازمی ہے"۔

"نہیں۔۔۔ لیکن اس کا امکان ضرور ہے"۔

"آپ رہتے کہاں ہیں"

"اسی ہوٹل میں۔۔۔ اور کہاں"۔

یہ کہہ کر وہ ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔۔۔ جلد ہی یہ بات پورے شہر
میں پھیل گئی اور پھر کئی سرکاری گاڑیاں ہوٹل ریحان کے سامنے آ
رکیں۔۔۔ شوکی برادرز ابھی تک وہیں تھے۔۔۔ آئی جی صاحب نے انہیں
دیکھ لیا۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہم سب برابر اس پتھر پر نظریں جمائے کھڑے ہیں۔۔۔ اگر ذرا
بھی حرکت کرتا نظر آیا تو پروفیسر المان کو بلا لائیں گے"۔

"تم کب تک کھڑے رہو گے۔۔۔ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ چلو"۔

"آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"ہم پروفیسر المان سے کہیں گے کہ اس پتھر کو ہٹانے کی کوشش
کرے۔۔۔ ورنہ رات کو کوئی شہری بھی نہیں سو سکے گا۔۔۔ آؤ دیکھو تو
سہی۔۔۔ سب کے سروں پر پتھر فضا میں موجود ہے"۔

"واقعی۔۔۔ اس سے زیادہ خوفناک صورت حال سے ہم آج تک
دوچار نہیں ہوئے ہوں گے"۔

وہ ان کے ساتھ پروفیسر المان کے کمرے تک پہنچے۔۔۔ دستک دی
گئی تو اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔۔۔ جب کہ کمرے کا دروازہ اندر سے
بند تھا۔۔۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اندر موجود ہے۔۔۔ ایک بار پھر زور
سے دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔۔۔ آخر دروازہ توڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔۔۔ اور

دروازہ تڑوا کر وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔ اندر پروفیسر المان موجود
تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ اگر وہ اندر نہیں ہے۔۔۔ تو
دروازہ اندر سے کیوں بند تھا؟" آئی جی صاحب نے کانپ کر کہا۔

"ایک اور عجیب ترین بات۔۔۔ گویا آج کا دن عجیب ترین
کا دن ہے"۔ محسن نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ آپ کہاں ہیں"۔ شوکی نے چلا کر کہا۔

"ایک منٹ۔۔۔ میں اس وقت اپنے وجود میں نہیں ہوں"
اچانک انہوں نے پروفیسر کی آواز سنی۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ آپ اپنے وجود میں نہیں ہیں"۔

"ہاں! میں اس وقت اپنی روز کی مشق کر رہا ہوں"۔

"لیکن آپ ہمیں نظر کیوں نہیں آ رہے"۔

"جب میں اپنے وجود میں آؤں گا تو نظر آنے لگوں گا"۔

"اور آپ ہمیں کب نظر آنے لگیں گے"۔

"چند منٹ اور انتظار کریں"۔

وہ حیرت زدہ سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔۔۔ چند
منٹ بعد اچانک انہیں پروفیسر المان نظر آنے لگا۔۔۔ وہ اپنے بستر پر موجود
تھا۔۔۔ جب کہ اس سے پہلے انہیں بستر پر وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ ایک اور انوکھا تجربہ ہو گیا۔۔۔ کیا آپ لوگوں کی نظروں سے

بھی اوجھل ہو سکتے ہیں"۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے"۔

"اور آپ کے دائیں ہاتھ کا کھیل کیا ہے؟"

"وہ آپ ہوٹل ریحان میں دیکھ تو چکے ہیں"۔

"ہم آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں"۔ آئی جی
صاحب بولے۔

"فرمایئے"۔ اس نے کہا۔

"ہمارے شہر کے جنوب میں بہت بڑا جنگل ہے۔۔۔ شہر سے بھی
بڑا۔۔۔ آپ اگر اپنی آنکھوں کی طاقت سے پتھر کو اس جنگل پر لے جا کر
گرا دیں تو ہم پر احسان ہو گا۔۔۔ ورنہ آج رات کوئی شہری بھی نہیں سو
سکے گا۔۔۔ اور ان گنت لوگ یہاں سے بھاگ نکلے ہیں۔۔۔ اور مزید کتنے
ہی بھاگنے کے لیے تیاری کر رہے ہیں"۔

"میں ایسی کوشش کر سکتا ہوں۔۔۔ لیکن اس میں دو باتیں ہو
سکتی ہیں۔۔۔ یا میں کامیاب ہو جاؤں گا یا ناکام۔۔۔ ناکامی کی صورت میں
جانتے ہیں کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا؟"

"میری موت"۔

"اوہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ آپ تو بہت کام کے آدمی ہیں"۔

"یہ کوئی چھوٹا کام نہیں ہے"۔

"ہم نے کب کہا ہے کہ یہ چھوٹا کام ہے"۔

"تو پھر... آپ کیا کہتے ہیں"۔

"اگر میں پتھر سرکا دوں... بلکہ جنگل پر گرا دوں... تو کیا... مجھے کیا دیں گے"۔

"آپ کیا چاہتے ہیں"۔

"آپ کے شہر پر حکومت میری ہو گی... یہاں صرف میرا چلے گا... اگر آپ کو یہ شرط منظور ہے تو میں تیار ہوں... نہیں"۔ اس نے کہا۔

"یعنی آپ ہمارے شہر کے کمشنر بننا چاہتے ہیں"۔

"نہیں... مکمل طور پر حکمران... آپ کے ملک کی حکومت شہر میں پھر کوئی عمل دخل نہیں دے سکے گی"۔

"یہ آپ نے انوکھی شرط لگا دی ہے... میں حکومت سے پوچھے بغیر کوئی جواب نہیں دے سکتا"۔

"تو پھر پوچھ لیں... روکا کس نے ہے... ایک اور چھوٹی سی شرط بھی ہو گی"۔

"اور وہ کیا؟"

"میں پورے شہر کے سامنے ایک تقریر کرنا چاہتا ہوں... آپ اس وقت شہریوں کو اس جنگل میں جمع کر لیں... یا کسی بہت بڑے میدان میں"۔

"یہ کام تو بہت آسان ہے... میں ابھی اعلان کرا دیتا ہوں... لیکن حکومت سے بات کرنے میں چند منٹ لگیں گے"۔

"کوئی بات نہیں... آپ پہلے بات کر لیں"۔

آئی جی صاحب نے اسی وقت حکام سے بات شروع کر دی... تھوڑی دیر بعد وہ پروفیسر المان کے پاس آئے اور بولے۔

"ہم یہ شہر آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں... شہر کے لوگ بھی آپ کے سامنے جمع ہو جائیں گے... لیکن ہماری ایک شرط ہے"۔

"کہیے"۔

"اگر کسی اور شہر پر اب کوئی پتھر گرنے لگا تو آپ وہاں چل کر اسے روکیں گے"۔

"اگر اس کے گرنے سے پہلے میں وہاں جا سکا تو... کیونکہ پتھر گرنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے"۔

"یہ ایک الگ بات ہے... آپ تو چلیں گے نا"۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں"۔

"تب آپ فکر نہ کریں... ہم آپ کو چند سیکنڈ میں ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچا سکتے ہیں"۔

"ارے ہاں یاد آیا... آپ کے ملک کے پروفیسر غالب نے ایسے بوتھ تیار کر لیے ہیں جن کی مدد سے انسان لہروں میں تبدیل ہو کر

دوسری جگہ جا سکتا ہے"۔

"بالکل ٹھیک ہے"۔

"تب یہ ممکن ہے"۔

"شہر کے اہم مقام پر بوتھ موجود ہے.... شہر کے حاکم کی حیثیت سے آپ کی رہائش بھی وہیں ہو گی.... لہٰذا آپ کو دوسرے شہر پہنچنے میں کچھ بھی وقت نہیں لگے گا"۔

"ٹھیک ہے.... اب آپ شہر کے لوگوں کو بلا لیں.... اور ہاں اس معاملے میں تحریری معاہدہ ہو جانا چاہیے.... ایسا نہ ہو.... میں پتھر کو ہٹا کر اس جنگل میں گرا دوں اور بعد میں آپ مجھ سے دھوکا کریں"۔

"نہیں.... ہم دھوکے باز نہیں ہیں"۔

"ایک اور بات.... جنگل میں جب پتھر گرے گا تو تمام درخت اس کے نیچے دب جائیں گے.... یعنی وہ درخت آپ کے کام نہیں رہیں گے"۔

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں"۔

"اور.... جنگل کے جانور بھی مر جائیں گے.... سب پرندے بھی مر جائیں گے"۔

"پورے شہر کے انسانوں کو بچانے کا معاملہ نہ ہوتا تو ہم ان جانوروں کے لیے یہ سودا کبھی تسلیم نہ کرتے"۔

"لیکن.... آپ ایسا کیوں نہیں کرتے.... پتھر جنگل کے صرف

اوپر گرا دیں.... گرائیں نہیں"۔ شوکی بولا۔

"اوہ ہاں.... یہ زیادہ مناسب رہے گا"۔

"چلیے ایسا کر لیتے ہیں"۔ پروفیسر المان پھر بولا۔

"ویسے آپ کے شہر کے چند بچے مجھے بہت اچھے لگے ہیں"۔

"آپ کا مطلب شوکی برادرز سے ہے"۔ آئی جی صاحب مسکرائے۔

"جی ہاں.... کاش یہ میرے ساتھ مل کر کام کریں"۔

"ہم تیار ہیں"۔ شوکی نے سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا۔

"سوچے سمجھے بغیر یہ بات کہہ دی"۔ مکھن نے منہ بنایا

"کیوں! کیا ہوا؟"

"اب اگر ہمیں انکل جمشید بلانے لگے تو ہم کیا کریں گے.... پہلے یہ سوچ لیں"۔

"اور ہاں! یہ بھی ہے.... پھر اب ہم کیا کریں"۔

"ہم پروفیسر صاحب کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہیں.... لیکن جب کہیں جانا پڑا تو جانے کے لیے آزاد ہوں گے"۔

"چلیے یونہی سی"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر شہر کے لوگوں کو ایک بہت بڑے میدان میں جمع کیا گیا.... ایک بہت اونچا سٹیج لگایا گیا.... اس سٹیج پر پروفیسر المان نظر آ رہا تھا.... اس کے ساتھ شوکی برادرز اور آئی جی صاحب بھی تھے....

دوسرے سرکاری آفیسرز بھی تھے.... آخر اس نے کہنا شروع کیا۔

"شہر کے لوگو! آج سے تمہارا حاکم میں ہوں.... تمہارے
نے اس شہر کا حاکم مجھے بنانا منظور کر لیا.... شرط صرف یہ ہے کہ
اس پتھر کو یہاں سے ہٹا دوں اور جنگل کے اوپر کر دوں.... تاکہ تمہارے
سروں سے خطرہ ٹل جائے.... یہ لٹکتی تلوار ہٹ جائے"۔

"بہت خوب!" لوگوں نے خوش ہو کر تالیاں بجا دیں۔

"گویا تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ میں اس شہر
حاکم بن جاؤں"۔

"نہیں.... نہیں.... کوئی اعتراض نہیں"۔

"ٹھیک ہے.... میری ایک اور شرط ہے.... یہ بھی سن لو
آنکھوں کی طاقت جو میں نے اس پتھر پر لگائی ہوئی ہے.... زیادہ سے
زیادہ کل صبح تک قائم رہے گی.... اس کے بعد میں شاید اس پتھر
گرنے سے نہیں روک سکوں گا"۔

"اوہ.... اوہ"۔ وہ چلائے۔

"ہاں! میں یہ نہیں کہتا کہ میں بالکل ناکام ہو جاؤں گا.... ہو سکتا
ہے میں اس سے زیادہ دیر تک روک سکوں.... بہرحال میں فی الحال
ضرور کر دوں گا کہ اس کو جنگل کی طرف سرکا دوں گا"۔

"ہمارے لیے یہ بہت ہے"۔

"ٹھیک ہے.... آپ بہت اچھے ہیں"۔

"اور میں تمہارا حاکم بھی ہوں"۔

"ہاں.... بالکل"۔ وہ سب چلائے۔

اور شوکی برادرز اور آئی جی پسینے سے بھیگتے جا رہے تھے....
کیونکہ وہ محسوس کر چکے تھے کہ وہ کیا شرط بتانے والا ہے۔

"تو پھر میری شرط مان لیں"۔

"ہم آپ کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہیں"۔

"اور وہ شرط کیا ہے؟"

"پتھروں کی اس بارش سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے.... ایک
ہی حل ہے.... جب آپ یہ شرط مان لیں گے تو پھر کوئی پتھر آپ کے
شہر کا رخ نہیں کرے گا.... کیا سمجھے"۔

"آخر وہ شرط کیا ہے؟"

"شرط بہت سیدھی اور صاف ہے.... اور اس کے مان لینے میں
اب تو کوئی حرج بھی نہیں رہا.... کیونکہ سچائی نکھر کر اس دنیا کے سامنے
آنے والی ہے.... حضرت عیسیٰ مسیح کا ظہور ہو چکا ہے.... وہ بیت
المقدس میں آ چکے ہیں اور اب پوری دنیا ان کے تابع ہو رہی ہے....
جو لوگ ان کے تابع نہیں آئیں گے.... صرف ان کے شہروں پر پتھروں
کی بارش ہو گی.... کل کے اخبارات میں آپ لوگ دنیا میں پتھروں کی
بارشوں کی خبر بھی پڑھ لیں گے.... وہ پتھر اتنے بڑے تو خیر نہیں ہوں
گے.... لیکن پتھر تو ایک کلو کا بھی بہت ہے.... اور اوپر سے گرے تو

آدمی کا بھیجا پاش پاش کر دیتا ہے۔۔۔ اور جب سینکڑوں پتھر گریں تو
گا۔۔۔ یہ آپ سوچ لیں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ اس شہر پر سے میں اس
تو ہٹا دوں۔۔۔ لیکن ان گنت چھوٹے پتھروں کی بارش کو میں کس
روک سکوں گا۔۔۔ بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ آپ
عیسیٰ مسیح کو اپنا رہنما مان لیں"۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔۔۔ لوگ ایک دوسرے کی
دیکھنے لگے۔۔۔ شاید بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔۔۔ ادھر
برادرز شدید بے چینی محسوس کر رہے تھے۔۔۔ آخر شوکی نے آگے
کہا۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ لوگوں کی سمجھ میں آپ کی بات
آئی۔۔۔ وضاحت کر دیں"۔

"آپ لوگ یوں سمجھ لیں کہ آپ کے اس شہر میں میں
عیسیٰ مسیح کا نمائندہ ہوں۔۔۔ اگر آپ میرا حکم مانیں گے تو گویا ان
مانیں گے۔۔۔ اگر آپ نے میرا حکم نہ مانا تو گویا ان کا حکم نہیں"۔

"بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔ آپ اور وضاح
کریں"۔ شوکی نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ میں اور وضاحت کرتا ہوں۔۔۔ حضرت
نے اپنے ظہور کے فوراً بعد اپنا پیغام پوری دنیا کو پہنچانے کا فیصلہ
ہے۔۔۔ وہ کل رات ٹی وی کے ذریعے پوری دنیا کو اپنا پیغام دیں گے

میں اس سے پہلے ہی آپ کو ان کا پیغام سنا دیتا ہوں۔۔۔ کیا آپ سننے
کے لیے پوری طرح تیار ہیں"۔

"ہاں! بالکل تیار ہیں"۔ مجمع چلایا۔

"تو پھر غور سے سنیں۔۔۔ آپ لوگوں کی زندگیاں اب حضرت
مسیح کے ہاتھ میں ہیں۔۔۔ وہ جس شہر پہ چاہیں گے۔۔۔ پتھروں کی بارش کر
دیں گے۔۔۔ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو آپ کے شہر کے جنگل میں تجربہ کے
طور پر پتھروں کی بارش ہو سکتی ہے۔۔۔ وہ دیکھیے۔۔۔ پتھروں کا ایک
غول۔۔۔ پرندوں کے غول کی طرح جنگل کا رخ کر رہا ہے۔۔۔ یہ بڑا پتھر
اپنی جگہ۔۔۔ پہلے آپ لوگ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بارش کا نظارہ
ذرا کر لیں۔۔۔ پھر میں آپ لوگوں کو بتاؤں گا"۔

سب لوگ جنگل کی سمت دیکھنے لگے۔۔۔ لیکن انہیں پتھر نظر نہ
آئے"۔

"شاید آپ مذاق کر رہے ہیں"۔ مجمعے میں سے کسی نے چلا کر
کہا۔

"نہیں میں مذاق نہیں کر رہا"۔

"لیکن پتھر تو نظر نہیں آ رہے"۔

"اوپر دیکھیں۔۔۔ آسمان کی طرف۔۔۔ ایک سیاہ دھبہ سا نظر آ رہا
ہے یا نہیں"۔

"ہاں۔۔۔ نظر آ رہا ہے"۔

"بس اس کو دیکھتے رہیں"۔

انہوں نے دھبے پر نظریں جما دیں.... جوں جوں وہ نیچے گیا.... بڑا ہونے لگا اور پھر اور نزدیک آنے پر انہوں نے دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کا ایک غول سا تھا۔

وہ ایک ساتھ نیچے چلا آ رہا تھا۔

"وہ دیکھئے.... پتھروں کی بارش آپ کے شہر کے جنگل پر ہو۔ والی ہے"۔ پروفیسر المان نے چلا کر کہا۔

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی جنگل پر پتھر برسنے لگے۔

○☆○

دوپٹہ

"کیا بات ہے فرزانہ.... تمہیں کس بات نے خوف زدہ کر دیا ہے؟"

"مجھے وہ الفاظ یاد آ گئے.... اڑھائی ہزار سال پرانے الفاظ"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے.... صدر صاحب انہیں گھورنے لگے۔

"کتاب کا الفاظ یہ ہیں.... جب مسیح نمودار ہو گا.... پھر پوری دنیا میں ایک مذہب رہ جائے گا اور جو اس مذہب کو ماننے والے نہیں ہوں گے.... ان کے شہروں پر پتھروں کی بارش شروع ہو جائے گی.... کیا یہ پتھر اس بارش کا پہلا قطرہ ہے"۔

"اف میرے مالک.... فرزانہ یہ تو تم نے بہت خوفناک بات کہہ دی"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ابا جان"۔

"بات کیا ہے جمشید"۔

اب انہوں نے اخبار کی خبر کے بارے میں انہیں بتایا.... صدر صاحب نے اسی وقت اخبارات منگوائے اور اس خبر کا مطالعہ شروع کر

دیا۔۔۔ خبر تمام اخبارات میں موجود تھی۔۔۔ اور تمام اخبارات میں
اخبارات کے حوالے دیے ہوئے تھے۔۔۔ مطلب یہ کہ مقامی اخبا
نے یہ خبر غیر ملکی اخبارات سے لی تھی۔

"اف میرے مالک۔۔۔ یہ میں نے کیا پڑھا ہے۔۔۔ کیا یہ
ہمارے قرآن اور حدیث کے مطابق ہیں جمشید؟"

"قرآن کریم میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ
السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا۔۔۔ اس کی وضاحت نبی کریم
اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی ملتی ہے اور احادیث میں
طور پر ارشادات موجود ہیں کہ قیامت کے نزدیک حضرت عیسیٰ
السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔۔۔ لیکن احادیث میں ملتا
حضرت عیسیٰ دمشق کی ایک مسجد کے مینار پر آسمان سے اتریں
اس وقت ایک امام عادل کی وہاں حکومت ہو گی۔۔۔ اور اس
اس وقت وہی امام عادل صبح کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوا
نماز کی تکبیر کہی جا چکی ہو گی کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
ہوتے دیکھ لیں گے اور رک جائیں گے۔۔۔ جب حضرت
السلام نیچے آ جائیں گے تو امام عادل یعنی امام مہدی ان سے
کہ نماز آپ پڑھائیں۔۔۔ لیکن وہ جواب دیں گے۔۔۔ کہ ا
تکبیر آپ کے لیے ہو چکی ہے۔۔۔ لہٰذا یہ نماز آپ پڑھائیں۔
بعد حضرت عیسیٰ حاکم عادل ہوں گے اور دنیا میں انسانیت

کریں گے۔۔۔ تمام انسان اسلام لے آئیں گے۔۔۔ ہر طرف اسلام ہو
گا۔۔۔ اور زمین اس کثرت سے فصلیں اگائے گی کہ غربت کا بالکل خاتمہ
ہو جائے گا۔۔۔ مال کی اس قدر بہتات ہو گی کہ کوئی لینے والا نہیں رہ
جائے گا۔۔۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے۔۔۔ اس سے پہلے دجال
کا فتنہ نمودار ہو چکا ہو گا۔۔۔ وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو گا۔۔۔ حضرت
عیسیٰ اس کے مقابلے کے لیے نکلیں گے اور اسے اپنے ہتھیار سے قتل
کریں گے۔۔۔ اور ہتھیار پر اس کا لگا ہوا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔۔۔
دجال کے بعد ہر طرف امن و امان ہو جائے گا۔۔۔ کہ پھر یاجوج ماجوج کا
فتنہ نمودار ہو گا۔۔۔ یہ قوم اس قدر بڑی تعداد میں ہو گی کہ سمندر پی
جائیں گے۔۔۔ اس فتنے سے بچنے کے لیے حضرت عیسیٰ مسلمانوں کو لے
کر کوہ طور کی طرف چلے جائیں گے۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا۔۔۔
اس ہوا سے یاجوج ماجوج کی قوم کی گردنوں میں ایک زخم بنے گا اور وہ
اس زخم سے ہلاک ہو جائیں گے۔۔۔ ہوا ان کے جسموں کو اڑا کر
لے جائے گی۔۔۔ اس کے بعد اس قدر انصاف اور امن ہو گا کہ دنیا میں
کبھی نہ ہوا ہو گا اور پھر حضرت عیسیٰ اپنی زندگی پوری کر کے وفات پا
جائیں گے اور انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن
کیا جائے گا۔۔۔ یہ ہیں تفصیلات۔۔۔ مختصر طور پر۔۔۔ اگر پوری تفصیل
چاہتے ہیں تو آپ کو احادیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہو گا۔"

"خیر۔۔۔ وہ تو کر لیں گے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ وہ اڑھائی ہزار سال

پرانی کتاب بھی اس سے ملتی جلتی بات کر رہی ہے۔۔۔ لیکن اس
نہیں ہے کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے"۔

"ہاں! یہ ان لوگوں کی چال لگتی ہے۔۔۔ دنیا پر شاید کوئی
مصیبت ان لوگوں کی وجہ سے آیا چاہتی ہے۔۔۔ ہم پہلے شوکی برادرز
شہر ہو آئیں ذرا۔۔۔ وہاں حالات کا رخ سمجھنے میں مدد ملے گی۔
کے بعد ہم بیت المقدس جائیں گے۔۔۔ وہاں جا کر لائبریری
کتاب کا مطالعہ کریں گے۔۔۔ اور پھر دیکھیں گے اس سلسلے میں
سکتے ہیں اور کیا نہیں"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں یہ سارا معاملہ تمہیں سونپتا ہوں"۔

"صرف ہمیں نہیں سر۔۔۔ انسپکٹر کامران اور شوکی برادرز
مہم میں ہمارے ساتھ ہوں گے"۔

"شوکی برادرز کو تو پیغام مل ہی چکا ہو گا۔۔۔ انسپکٹر کامران
تم خود رابطہ کر لو"۔

"او کے"۔

اور وہ اٹھ کر چلے آئے۔۔۔ گھر آنے سے پہلے انسپکٹر کامران
کو فون کیا۔۔۔ لیکن شہناز بیگم نے بتایا کہ وہ لوگ غائب ہیں
انہوں نے شوکی برادرز کو فون کیا۔۔۔ وہ ابھی تک گھر نہیں
رفعت نے انہیں بتایا کہ وہ ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش
ہے۔۔۔ جونہی رابطہ ہوا۔۔۔ وہ انہیں ان کا پیغام دے دے گی۔

"ٹھیک ہے رفعت۔۔۔ پھر کی کیا خبر ہے"۔

"پروفیسر المان نے سارے شہر کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا
ہے۔۔۔ اور وہاں نہ جانے کیا کہنے والا ہے۔۔۔ شاید شوکی برادرز بھی وہیں
ہوں گے"۔

"ہوں! ہم آ رہے ہیں۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

عین اسی وقت دوسرے فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ جونہی انہوں نے
ریسیور اٹھایا پروفیسر داؤد کی خوف سے لرزتی آواز سنائی دی۔

"جمشید۔۔۔ فوراً میرے پاس آ جاؤ"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ حالات تو شاید ہمیں کسی طور پر بھی
نہیں دم لینے دیں گے"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

وہ اسی وقت پروفیسر داؤد کے ہاں پہنچے۔۔۔ خان رحمان وہاں ان
سے بھی پہلے پہنچ چکے تھے۔

"خیر تو ہے پروفیسر صاحب؟"

"آؤ جمشید آؤ۔۔۔ شاید ہم لوگوں پر۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔
سارے ملک کے لوگوں پر برا وقت آنے والا ہے"۔

"ہوا کیا ہے؟"

"میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔۔۔ اس لیے رصدگاہ میں نہیں
ہوں۔۔۔ ورنہ مجھے اس وقت رصدگاہ میں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ اب آؤ"۔

"وہ انہیں لے کر اوپر پہنچے۔۔۔ دوربین سے نظریں جماتے ہو
انہوں نے آسمان کی وسعتوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔۔۔ انہوں نے ان
جسموں پر لرزش محسوس کی۔۔۔ پھر وہ انسپکٹر جمشید سے بولے۔

"اب تم دیکھو۔۔۔ اور بتاؤ کہ کیا نظر آ رہا ہے؟"

انسپکٹر جمشید نے دوربین سے نظریں جما دیں اور پھر چا
طرف دیکھتے رہے۔۔۔ پھر آنکھیں ہٹا کر بولے۔

"ستاروں سے بھرا آسمان صاف نظر آ رہا ہے"۔

"نہیں جمشید۔۔۔ تم کچھ نہیں دیکھ سکے۔۔۔ خان رحمان
کوشش کرو"۔

"جب جمشید کو کچھ نظر نہیں آیا تو مجھے کیا نظر آئے گا۔
آپ فرزانہ کو دیں"۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل"۔ فرزانہ بولی۔

"بھئی۔۔۔ سب جانتے ہیں۔۔۔ تمہاری نظریں بہت تیز ہیں"
مسکرائے۔

"چلو آؤ فرزانہ"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن انکل۔۔۔ جب ابا جان کو"۔

"اوہو۔۔۔ جاؤ بھئی"۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی کمر پر ایک
رسید کر دیا اور وہ لڑکھڑا کر پروفیسر داؤد کے پاس پہنچ گئی۔۔۔ اس
آسمان کی وسعتوں میں بغور دیکھا۔

"ستارے ہی ستارے نظر آ رہے ہیں"۔

"خیر میں بتاتا ہوں۔۔۔ یہ جو تمہیں ستارے نظر آ رہے ہیں نا۔۔۔
یہ سب شہاب ثاقب ہیں" وہ بولے۔

"شہاب ثاقب۔۔۔ یعنی پتھر"۔

"ہاں! خلاء میں گردش کرنے والے بڑے اور چھوٹے پتھر ہی
پتھر۔۔۔ ان گنت پتھر"۔

"تو پھر اس میں عجیب بات کیا ہے پروفیسر صاحب"۔ خان رحمان
نے منہ بنایا۔

"تو تمہیں اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آ رہی۔۔۔ میں نے
اپنے سائنس دان دوستوں کو بھی یہاں آنے کے لیے ابھی فون کیا
ہے۔۔۔ وہ لوگ بھی آتے ہوں گے۔۔۔ ان کے چہروں کی طرف دیکھنا۔۔۔
لیکن جب وہ یہ نظارہ دیکھ لیں"۔

عین اسی وقت ملازم تین پروفیسر داؤد قسم کے آدمیوں کو لے
اندر داخل ہوا۔

"آہا! آپ لوگ آ گئے۔۔۔ کوئی خبر سنی آپ لوگوں نے"۔

"کک۔۔۔ کیسی خبر۔۔۔ اس پتھر کی۔۔۔ جو ملک کے شمالی حصے پر آ
گرا ہوا ہے"۔

"جی نہیں۔۔۔ آیئے میں آپ کو دکھاتا ہوں"۔

وہ بھی ان کے نزدیک آ گئے۔۔۔ پھر انہوں نے دوربینوں سے

نظریں جما دیں۔۔۔ اچانک وہ اچھل کر ان سے پیچھے ہٹ گئے۔۔۔ ان
چہرے بالکل سفید پڑ گئے تھے۔۔۔ بدن تھر تھر کانپ رہے تھے۔

"اف مالک! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں"۔

"تم لوگوں نے دیکھا۔۔۔ انہیں"۔

"جی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ دیکھ رہے ہیں۔۔۔ آخر یہ کس بات سے
زدہ ہیں"۔

"یہ جو آپ کو ستارے نظر آ رہے ہیں۔۔۔ یہ صرف اور صرف
پتھر ہیں۔۔۔ کروڑہا پتھر۔۔۔ ان میں سے ایک ایک پتھر۔۔۔ ایک ایک شہر
بڑا بھی ہے۔۔۔ اور میں چھوٹے پتھر بھی ہیں۔۔۔ لیکن چھوٹے پتھر بھی
کئی من وزنی ہوں گے"۔

"لیکن آپ لوگ کانپ کیوں رہے ہیں۔۔۔ اگر یہ خلا میں
ہیں تو یہ نظام قدرت ہے"۔

"ہاں! یہ نظام قدرت ہے۔۔۔ لیکن یہ چیز اتنی بڑی تعداد میں
ہمارے ملک کے اوپر کبھی بھی نظر نہیں آئی۔۔۔ ان کی ایک یا دو ٹکڑیاں
عام طور پر گردش کرتے نظر آ جایا کرتی ہیں۔۔۔ ایک دو ٹکڑیوں سے
بھی ایک دو کروڑ پتھر ہیں۔۔۔ جب کہ اس وقت کروڑوں ٹکڑیاں
ملک کے اوپر نظر آ رہی ہیں۔۔۔ جب کہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔۔۔
ایسا لگتا ہے جیسے ساری کائنات میں جتنے بھی شہاب ثاقب ہیں۔۔۔
سب کے سب یہاں جمع ہو گئے ہیں۔۔۔ اور ایسا ہونا عجیب ترین ہے۔

ناقابل یقین ہے۔۔۔ یوں کہیں ناممکن ہے"۔ پروفیسر داؤد کی آواز
ابھری۔

"ناممکن کیسے ممکن ہو گیا"۔

"ہم نہیں جانتے" لیکن ہو گیا ہے۔۔۔ ذرا سوچو جمشید۔۔۔ اگر ان
ٹکڑیوں میں سے صرف ایک ٹکڑی کی بھی بارش اگر ہمارے ملک پر
ہونے لگ جائے تو ہمارا کیا حال ہو گا۔۔۔ کیا ہم میں سے کوئی بچ سکے
گا۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔۔۔ ہم بھاگ کر ملک کے کسی بھی حصے میں چلے
جائیں گے۔۔۔ پتھر وہاں بھی برس رہے ہوں گے"۔

"لیکن یہ برسنے کیوں لگے"۔ خان رحمان نے کہا۔

"تم نے شاید اخبار نہیں پڑھا۔۔۔ اخبار پڑھو تو ہوش آ جائے
گا"۔

"خیر۔۔۔ میں اخبار پڑھ لیتا ہوں"۔ خان رحمان نے کہا۔

"ہاں خان رحمان۔۔۔ تم اخبار پڑھ لو"۔ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید
ان کی طرف مڑے۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے جمشید۔۔۔ میں نے تو جو
دیکھا۔۔۔ وہ تمہیں دکھا دیا۔۔۔ شمالی حصے پر اگر وہ پتھر نہ اٹکا ہوتا تو شاید
میں بھی چھوں کی اس کہکشاں کی طرف توجہ نہ دیتا۔۔۔ لیکن جب میں
نے اس پتھر کے گرنے اور اٹکنے کی خبر سنی تو میرے کان کھڑے ہو گئے

اور میں رصدگاہ کی رف دوڑ پڑا"۔ وہ یہاں تک کہ کر خاموش ہو
کیا ان پتھروں کے نیچے آگرنے کا کوئی امکان ہے"۔

"عام طور پر ایسا نہیں ہوتا جمشید۔۔۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس
کے لوگوں پر عذاب نازل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ وہاں پتھر برسا دیتے ہیں
جیسے صدوم کے شہر پر پتھر برسے تھے۔۔۔ پھر پچھلے دنوں جاپان پر پتھر
تھے۔۔۔ یہ دراصل نافرمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے براہ راست
ہے۔۔۔ لہٰذا ہمارے ملک کا رخ تو یہ پتھر شاید ہی کریں گے۔۔۔ اس
کہ ہم لوگ اللہ کو مانتے ہیں۔۔۔ اس کے احکامات بجا لاتے ہیں
ٹھیک ہے کہ ہم سے بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن اللہ تعالیٰ
سزا صرف اسی وقت دیتے ہیں۔۔۔ جب پوری قوم کے بندے گنہ
مبتلا ہو جائیں۔۔۔ جب کہ ہمارے ملک میں ایسی کوئی صورت حال
ہے۔۔۔ لہٰذا اس بات کا امکان تو نہیں ہے کہ یہ پتھر ہمارے اوپر
سکیں۔۔۔ آپ ذرا غور سے دیکھیں۔۔۔ شاید یہ پتھر جاپان کے اوپر ہو

"اچھی بات ہے۔۔۔ ہم ابھی اس بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں"۔

آدھ گھنٹے بعد وہ دوربینوں سے ہٹ کر ان کی طرف آئے

"یہ پتھر صرف اور صرف ہمارے ملک کی فضا پر مسلط ہیں
جاپان، چین، وغیرہ کا جائزہ میں نے لیا ہے۔۔۔ وہ ان سے محفوظ ہیں"

"حیرت ہے۔۔۔ غیر مسلم ممالک ان پتھروں سے محفوظ ہیں
ہمارے مسلمان ملک ان کی زد میں ہے"۔

"ہاں! ہمیں تو یہی نظر آ رہا ہے"۔ پروفیسر بولے۔

"خیر۔۔۔ آپ لوگ باری باری ڈیوٹی دیں۔۔۔ اور حالات نوٹ
کرتے رہیں۔۔۔ ہم ذرا شوکی برادرز کی طرف جا رہے ہیں"۔

"لیکن جمشید۔۔۔ اگر میں تمہاری موجودگی ضروری سمجھوں تو؟"

"آپ ہمیں فون کر دیجئے گا۔۔۔ شوکی کے نمبروں پر"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ ویسے میں بہت گھبرا رہا ہوں"۔

"اللہ کو یاد کریں۔۔۔ اللہ کو"۔

"اچھی بات ہے"۔

وہ اٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے بے چین
ہو کر ریسیور اٹھایا۔۔۔ دوسری طرف بیگم کہ رہی تھیں۔

"آپ جلد از جلد یہاں آئیں۔۔۔ میں بہت بڑا خطرہ محسوس کر
رہی ہوں"۔

"اچھا بیگم۔۔۔ میں پہنچ رہا ہوں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دوڑ پڑے۔۔۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور
خان رحمان ان کے پیچھے دوڑے۔۔۔ جب تک وہ نیچے پہنچے۔۔۔ انسپکٹر
جمشید اپنی کار پر بیٹھ کر جا بھی چکے تھے۔۔۔ وہ جلدی جلدی خان رحمان
کی کار میں بیٹھ گئے۔۔۔ انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔۔۔ جب وہ گھر
پہنچے۔۔۔ تو گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔۔۔ وہ دوڑ کر اندر پہنچے۔۔۔ اندر ان
کی والدہ نہیں تھیں۔۔۔ اور نہ والد۔۔۔ گھر کی حالت دیکھتے ہی محمود نے

کہا۔

"شاید امی جان کو اغوا کیا گیا ہے۔۔۔ جبکہ ابا جان صرف کرنے والے کے تعاقب میں چلے گئے ہیں۔۔۔ لہٰذا ہمیں یہیں انتظار کرنا ہو گا"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔ فاروق بڑبڑایا۔

اب انہوں نے باورچی خانے اور صحن کا جائزہ لیا۔۔۔ گھر کی چیزیں الٹ پلٹ تھیں۔۔۔ گویا خوب جنگ ہوئی تھی۔۔۔ ان کی والدہ دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔۔۔ لیکن شاید۔۔۔ وہ اس مقابلے میں نہیں سکی تھیں۔

"اف مالک! اب ہم کیا کریں؟"

"ہم بھی ان کی تلاش شروع کرتے ہیں۔۔۔ آؤ گھر سے باہر کر ابا جان کی گاڑی کے ٹائروں کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کریں ہیں کہ وہ کس سمت گئے ہوں گے۔۔۔ پھر ہم بھی اس سمت میں جا سکیں گے"۔ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا"۔ محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

اور پھر وہ گھر سے نکل آئے۔۔۔ ٹائروں کے نشانات انہیں سڑک پر ملے۔۔۔ اور پھر انہیں سمت معلوم ہو گئی۔۔۔ دوسرے ہی لمحے وہ خان رحمان کی کار میں اس سمت میں اڑے جا رہے تھے۔۔۔ ان کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔

وہ قریباً ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔۔۔ لیکن راستے میں کہیں ان کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔۔۔ یہاں تک کہ وہ شہر سے باہر نکل گئے۔۔۔ اب وہ جنگل کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

"انکل! اب ذرا آپ رفتار کم کر دیجئے۔۔۔ کیونکہ ہمیں ان درختوں کو دیکھتے ہوئے گزرنا ہے"۔

"اچھی بات ہے"۔ انہوں نے کہا اور رفتار کم کر لی۔۔۔ فرزانہ بائیں طرف کے درختوں کو بغور دیکھنے لگی۔۔۔ محمود اور فاروق دائیں طرف کے۔۔۔ خان رحمان صرف کار چلاتے رہے۔۔۔ اچانک فرزانہ کی آواز گونجی۔

"ایک منٹ انکل۔۔۔ گاڑی روکیں"۔

انہوں نے جونہی بریک لگائے۔۔۔ فرزانہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔۔۔ وہ ایک سمت میں دوڑنے لگی۔۔۔ انہوں نے بھی فوراً اس کا ساتھ دیا۔۔۔ جب وہ فرزانہ کے نزدیک پہنچے تو ٹھٹک کر رہ گئے۔

فرزانہ اب ایک درخت کے پاس کھڑی تھی۔۔۔ اور درخت کی ایک شاخ میں ایک دوپٹہ لٹک رہا تھا۔

اور یہ دوپٹہ ان کی والدہ کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا تھا۔

○☆○

اژدھے کی لاش

"کیا بات ہے منور علی خان؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں آگے خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ آگے یا تو کوئی خطرناک اور یا بڑا سانپ یا بچھو بیٹھا ہے۔۔۔ اور وہ ہمیں غار میں نہیں جانے دیں گا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لہٰذا پہلے ہمیں اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا"۔

"یہ مقابلہ آپ ہی کر لیں انکل"۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں تم فکر نہ کرو۔۔۔ میں اس سے سمجھ لوں گا"۔

"لیکن میرا خیال ہے۔۔۔ وہ آپ کو الجھرا نہیں سمجھا سکے گا"۔ آفتاب مسکرایا۔

"ہائیں۔۔۔ آفتاب۔۔۔ تم ان حالات میں مسکرا سکتے ہو"۔ منور علی خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ آگے ہیں نا ابا جان۔۔۔ ذرا ان حضرات کو اپنے آگے لیں۔۔۔ پھر دیکھتے ہیں۔۔۔ کیسے مسکراتے ہیں"۔ فرحت نے منہ بنایا۔

"ضرور کیوں نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے انکل۔۔۔ یہ تجربہ ہو ہی جائے"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ دونوں تو میرے پیچھے پڑ گئے۔۔۔ اچھا چلو۔۔۔ میں اب اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹتا رہوں گا۔۔۔ جب بھی یہ آئے گی۔۔۔ میں اس کو پی جاؤں گا"۔

"بس پی چکے تم۔۔۔ چلو انکل کے آگے"۔ آصف نے اسے دھکا دیا۔۔۔ فرحت نے بھی دھکا دینے میں اس کا ساتھ دیا' نتیجہ یہ کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا منور علی خان سے آگے جا پہنچا۔

سامنے ہی سانپ کی پھنکار سنائی دی۔۔۔ وہ بھڑک کر واپس دوڑا اور وہ ہنسنے لگے۔

"دیکھو ہو گئی نا مسکراہٹ اڑنچھو"۔ فرحت چہکی۔

"اس مسکراہٹ میں بس یہی تو بری بات ہے۔۔۔ جب دیکھو' اڑنچھو ہو جاتی ہے۔۔۔ خیر فکر نہ کرو۔۔۔ سمجھوں گا اس سے بھی"۔ آفتاب نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کک۔۔۔ کس سے سمجھو گے بھئی"۔ آصف نے بوکھلا کر پوچھا۔

"مسکراہٹ سے اور کیا تم سے سمجھوں گا۔۔۔ جغرافیہ تو تمہیں آتا نہیں"۔

"اب جغرافے کی ٹانگ گھسیٹ بیٹھے"۔

"بھائی ہم اس وقت دنیا کے طویل ترین غار میں موجود ہیں
غار میں سے اڑھائی ہزار سال پرانی ایک کتاب ملنے کے بارے میں
کیا جاتا ہے اور اب منور علی خان اس میں سانپ یا اژدھے کی
بتا چکے ہیں... یہی نہیں بلکہ ہم اس کی پھنکار بھی سن چکے ہیں"۔

"وہ تو خیر مصنوعی تھی"۔ منور علی خان ہنسے۔

"ہائیں... ابا جان... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

"میں ذرا آفتاب کی بہادری دیکھنا چاہتا تھا"۔

"ارے باپ رے... یہ تو آپ نے مجھ سے دھوکا کیا"۔ آ
نے برا سا منہ بنایا۔

"اسے دھوکا نہیں... آزمائش کہتے ہیں"۔ منور علی
مسکرائے۔

"اور اب آپ مسکرا رہے ہیں"۔

"تو کیا ہوا... غار میں مسکرانا منع تو نہیں ہے... دیکھنا تو
کہ اژدھے کے سامنے کون کون مسکرا سکتا ہے"۔

"تو آپ اندازہ لگا چکے ہیں کہ وہ سانپ نہیں... اژدھا ہے"

"ہاں! اس لیے کہ اگر وہ سانپ ہوتا تو اب تک ہم
پھنکار کئی بار سن چکے ہوتے... اژدھا اس معاملے میں ذرا سست
ہے"۔

اور پھر اژدھا انہیں نظر آ گیا... وہ غار کے نیچوں بیچ بل

بیٹھا ہوا تھا اور اس طرح بیٹھنے کی وجہ سے اس کا نچلا حصہ بہت جگہ
گھیرے ہوئے تھے اور اوپر سے وہ ایک چھوٹا سا مینار لگتا تھا... اس قدر
بڑا اور موٹا اژدھا وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے۔

"لل... لیکن"۔ منور علی خان بولے۔

"اس لیکن کا مطلب ہمیں ضرور بتا دیں انکل... ورنہ ہم الجھن
میں رہیں گے"۔

"یہ اژدھا"۔ وہ کچھ کہنے لگے... عین اس وقت اژدھے نے
اپنے بل کھولنا شروع کر دیے... شاید اس نے ان کی بو محسوس کر لی
تھی اور وہ سمجھ گیا تھا... شکار آ گیا۔

"لیکن کا مطلب بعد میں بتاؤں گا... پہلے اس سے مقابلہ کر
لوں"۔

"کیا مطلب... کیا باقاعدہ جنگ لڑیں گے"۔ آصف نے گھبرا کر
کہا۔

"تو اور کیا"۔ منور علی خان نے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے... پستول سے فائر کر کے ختم کر دیں اسے"۔

"اس طرح اس کا خون اور زہر وغیرہ غار میں دور دور تک پھیل
جائیں گے اور ہمیں اس پر سے گزرنا پڑے گا"۔

"تو کیا ہوا... ہم نے جوتے پہن رکھے ہیں"۔ انسپکٹر کامران
مرزا بولے۔

"جوتے اس زہر سے گل سکتے ہیں"۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ اس وقت اگر وہ ساتھ نہ ہو

تو یقیناً اژدھے کو پستول سے ختم کر دیتے۔

"لیکن اس طرح مقابلے میں تو آپ کی جان کو خطرہ ہے ا

خطرہ کیوں مول لیں"۔ فرحت نے بے چین ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو فرحت۔۔۔ میں نے بے شمار اژدھوں سے مقا

ہوا ہے"۔

یہ کہ کر وہ آگے بڑھے۔۔۔ اژدھے نے پھر خطرہ محسوس

اور وہ منہ اوپر اٹھا کر ان کی طرف بڑھا۔۔۔ اس وقت انہوں نے

لمبائی دیکھی۔

"یہ میرے گرد لپٹے گا۔۔۔ اور میری ہڈیاں پسلیاں توڑ

کوشش کرے گا۔۔۔ اس وقت کامران مرزا تم میری مدد کر سکتے ہو"۔

"اور وہ کیسے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"اس کی دم کو قابو میں کر کے"۔

"گویا تم اسے منہ کے پاس پکڑو گے"۔

"ہاں۔۔۔ میں اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کروں گا اور یہ

گرد لپٹنے کی۔۔۔ اگر یہ میرے گرد لپٹ گیا تو میں ختم۔۔۔ ورنہ یہ

"لیکن اباجان! یہاں تو انکل موجود ہیں۔۔۔ جنگل میں

کرتے رہتے ہیں"۔

"وہاں شکار کرنے کی جگہ اپنی پسند کی ہوتی ہے۔۔۔ کسی درخت

کی مدد لیتا ہوں۔۔۔ یا پھر رسی کے ذریعے شکار کرتا ہوں"۔

"یہاں میرے پاس اب ایک رسی ہے اور وہ اس کے خون اور

زہر سے گیلی نہیں کر سکتا۔۔۔ کیونکہ یہاں اسے دھونے کے لیے پانی

کہاں سے لائیں گے"۔

"تب ٹھیک ہے۔۔۔ میں اس کی دم پکڑوں گا۔۔۔ منور علی خان۔۔۔

تم فکر نہ کرو"۔

"لیکن کامران مرزا یہ کام اتنا آسان نہیں ہو گا۔۔۔ اس لیے کہ

وہ بہت پھرتی ہو گی اور تمہارے ہاتھوں سے پھسل پھسل جائے گی"۔

"اوہ! تو یہ بات بھی ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

"ہاں"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"خیر۔۔۔ دیکھا جائے گا"۔

اور پھر منور علی خان نے ایک چھلانگ لگائی۔۔۔ ان کے لیے یہ

چھلانگ بھی بہت عجیب تھی۔۔۔ وہ اژدھے کے اوپر سے ہو کر آگے نکل

گئے۔

"تو انکل ہم سب یہی کیوں نہ کریں"۔ آصف نے کہا۔

"اس طرح یہ تعاقب کرے گا"۔

"ہوں"۔ وہ بولے۔

منور علی خان فوراً مڑے۔۔۔ ادھر اژدھا ان کی طرف مڑنے کے

چکر میں اپنا رخ تبدیل کر رہا تھا۔۔۔ لیکن اس کے لیے یہ کام فوراً
لینے کا نہیں تھا۔۔۔ لہٰذا منور علی خان۔۔۔ حرکت میں آئے اور اس
گردن پکڑ لی۔۔۔ جونہی انہوں نے اس کی گردن پکڑی۔۔۔ اور اس پر
لگانا شروع کیا' اس کی دم اوپر اٹھی اور ان کی طرف بڑھی۔۔۔ ایسے
انسپکٹر کامران مرزا حرکت میں آئے اور اس کی دم کو دونوں ہاتھوں
پکڑ لیا۔۔۔ دم واقعی بہت چکنی تھی اور اس پر ہاتھ جمائے رکھنا
مشکل کام تھا۔۔۔ لیکن وہ بھی آخر انسپکٹر کامران مرزا تھے۔۔۔ دم
چمٹ کر رہ گئے۔۔۔ اژدھے نے جب یہ محسوس کیا کہ اس کی دم
قابو میں کر لی گئی ہے تو اس نے دم پر زور لگایا اور باقی لوگوں نے
حیرت انگیز منظر دیکھا کہ اس کی دم کے ساتھ انسپکٹر کامران مرزا بھی
اٹھ گئے تھے۔۔۔ اور اب وہ بھی منور علی خان کی کمر کا رخ کر
تھے۔

"اس نے تو مجھے اٹھا لیا۔۔۔ منور علی خان۔۔۔ اور اب یہ مجھے
تمہاری کمر کے ساتھ لپیٹ کر رکھ دے گا"۔

"نہیں کامران مرزا۔۔۔ تمہاری باری بعد میں آئے گی۔۔۔
کرو۔۔۔ اس وقت تک میں اس کا دم خم نکال دوں گا"۔

"ہم بھی کیوں نہ اس کے درمیانی جسم سے لٹک جائیں"
رفعت بولی۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔ منور علی خان ہنسے۔

آفتاب' آصف اور فرحت بھی حرکت میں آ گئے اور اس کے
دھڑ سے لپٹ گئے۔۔۔ اب اژدھا بے بس ہو گیا۔۔۔ وہ منور علی خان کی
کمر کے گرد ایک بھی بل نہ ڈال سکا اور اس طرح منور علی خان اس کی
گردن پر پورا زور لگانے کے قابل ہو گئے۔۔۔ نتیجہ یہ کہ پندرہ منٹ بعد
اژدھے کی لاش غار کے ایک طرف پڑی تھی اور وہ آگے بڑھ چکے
تھے۔ آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"واپسی پر ہم اس کی لاش لے چلیں گے"۔

"کیوں انکل۔۔۔ ہم اس کا کیا کریں گے"۔

"اس کی کھال بہت قیمتی ہے۔۔۔ غار کے باہر فوراً بک جائے
گی"۔ وہ بولے۔

"یہ غار تو ختم ہونے میں نہیں آ رہا"۔

"دنیا کا طویل ترین غار ہے۔۔۔ مذاق تو نہیں ہے"۔

"اس اژدھے کی کیا عمر۔۔۔ ہو گی انکل؟"

"زیادہ سے زیادہ پانچ سو سال"۔

"جب کہ اس غار سے کتاب ملی ہے اڑھائی ہزار سال پرانی"۔
آفتاب بولا۔

"تو پھر۔۔۔ اس سے کیا ہوتا ہے"۔ منور علی خان چونکے۔

"پتا نہیں اس سے کچھ ہوتا ہے یا نہیں۔۔۔ بس بات ذہن میں آ
گئی۔۔۔ میں نے کہہ دی"۔

"لیکن میرے خیال میں اس نے بہت کام کی بات کی"۔ انسپکٹر کامران مرزا بول اٹھے۔

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں غلط نہیں کہہ رہا... اس لیے کہ اگر یہ غار اڑھائی سال پرانا ہے... بلکہ اس سے بھی پہلے کا تو اس میں اڑھائی ہزار سال پرانا ہونا چاہیے"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تت... تو کیا... اڑھائی کی عمر اس قدر طویل بھی ہے"۔

"پتا نہیں... یہ تو منور علی خان بتائیں گے... ویسے میں تک اس پتھر کے صندوق کے بارے میں سوچ رہا ہوں"۔

"پتھر کے صندوق کے بارے میں... لیکن کیا"۔

"وہ کتنا پرانا ہے"۔

"اگر میں اس میں رکھی کتاب اڑھائی ہزار سال پرانی ہے تو صندوق بھی اتنا ہی پرانا ہو گا"۔

اچانک انہیں غار میں دائیں طرف ایک طاق سا نظر آیا۔ طاق میں کچھ برتن موجود تھے... بہت پرانے برتن... جو مٹی کے ہوئے تھے۔

"مٹی کے برتن... جو سیاہ ہو چکے ہیں"۔ منور علی بڑبڑائے۔

"ان برتنوں کو بھی اپنے بیگ میں ڈال لو منور علی خان"۔

"لیکن کامران مرزا... ہم ان کا کیا کریں گے"۔

"اڑھائی تمہارے کام کی چیز تھا... یہ ہمارے"۔

"لیکن کس کام کے... یہ بھی تو بتاؤ... میں نے تو بتا دیا تھا کہ اڑھائی کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے"۔

"یہ برتن آثار قدیمہ والوں کے لیے بہت قیمتی ہوں گے"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا... پھر منور علی خان نے وہ برتن تھیلے میں بھر لیے... پھر وہ آگے بڑھے۔

"ارے باپ رے"۔

ایک بار پھر انہوں نے منور علی خان کی آنکھوں میں خوف دیکھا۔

"اب کیا نظر آ گیا انکل"۔

"ہی... چیونٹیاں"۔

"چیونٹیاں"۔ ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں لو دیکھو... غار کی چھت اور دیواروں پر لاکھوں کروڑوں چیونٹیاں اور یہ کوئی عام چیونٹیاں نہیں ہیں... یہ زہریلی ہیں... اگر ان میں سے ایک ایک چیونٹی ہمیں کاٹ لے تو ہم لمبے لیٹ جائیں گے... اور یہاں تو پورا لشکر ہے"۔

"اور جب ہم ان کے نیچے سے گزریں گے تو ان میں سے نہ

جانے کتنی ہمارے اوپر آگریں گی۔۔۔ اور ہمیں کاٹ کھائیں گی۔"

"ارے باپ رے۔۔۔ اب کیا کریں؟"

"ہاں! یہی میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ کہ کیا کریں"۔ منور علی بولے۔

"بس یہیں سے واپس چلتے ہیں۔۔۔ اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے"۔

"لیکن ہم نے اس غار کو آخر تک دیکھنے کا تہیہ کر رکھا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"چلئے بس۔۔۔ اب رہنے دیں۔۔۔ آخر موت کے منہ میں جانے کیا فائدہ"۔

"پھر یہ حسرت رہ جائے گی۔۔۔ کہ غار کو آخر تک نہیں دیکھ سکے۔۔۔ دنیا کے طویل ترین غار کو ہم ختم نہ کر سکے"۔

"لیکن اب ہم ان چیونٹیوں کا کیا کریں انکل۔۔۔ آپ خود کہہ رہے ہیں کہ یہ زہریلی ہیں"۔

"ہاں! یہی سوچ رہا ہوں۔۔۔ تم فکر نہ کرو"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ سب کی سب ہماری طرف بڑھ رہی ہیں۔۔۔ گویا انہوں نے ہماری بو کو محسوس کر لیا ہے"۔

"ہاں! ایسا ہی لگتا ہے۔۔۔ ہمیں اس اژدھے تک واپس جانا ہو گا"۔

"اس کا کیا فائدہ ہو گا"۔

"یہ مردہ اژدھے سے چمٹ جائیں گی۔۔۔ اسے چٹ کرنا شروع کر دیں گی۔۔۔ اور ہم بچ کر نکل سکیں گے"۔

"یہ وہاں تک کیوں جانے لگیں"۔

"ہمارے تعاقب میں آئیں گی۔۔۔ ہم ان کے لیے مزید خوراک ہیں اور یہ اپنی لذیذ ترین خوراک کیوں چھوڑنے لگیں"۔

"باپ رے آپ کس قدر خوفناک باتیں کر رہے ہیں"۔

"جو حقیقت ہے وہی بیان کر رہا ہوں"۔

"خیر۔۔۔ تو پھر چلئے۔۔۔ پیچھے چلتے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

وہ واپس مڑے۔۔۔ لیکن انہوں نے اپنی رفتار زیادہ تیز نہ کی۔۔۔ تاکہ چیونٹیاں ان کا تعاقب نہ بند کر دیں۔۔۔ وہ مڑ مڑ کر انہیں دیکھتے بھی رہے۔۔۔ چیونٹیوں کا لشکر ان کا پیچھا کر رہا تھا۔

"کیا وقت آ گیا ہے۔۔۔ چیونٹیاں ہمارا پیچھا کر رہی ہیں۔۔۔ ہم ان سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں"۔

"یہی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایک سے بڑھ کر ایک مخلوق پیدا کی ہے۔۔۔ انسان سے طاقت ور تو ان گنت مخلوقات ہیں۔۔۔ لیکن جو عقل انسان کو عطا کی ہے۔۔۔ وہ کسی اور کو نہیں۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی عقل کے ذریعے اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور مخلوقات کو

شکست دے دیتا ہے"۔

"لیکن یہ تو طاقت ور نہیں ہیں"۔

"تعداد میں ان گنت تو ہیں نا"۔ وہ مسکرائے۔

اور پھر وہ اژدھے کی لاش تک پہنچ گئے۔۔۔ وہ جوں کا توں
تھا۔۔ وہ اژدھے کے دوسری طرف آگئے اور رک گئے۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اژدھے کی طرف متوجہ ہوتی ہیں
نہیں"۔

"انکل! کیوں نہ ہم اژدھے کو ایک طرف کر دیں"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔

انہوں نے مل کر اژدھے کی لاش کو دیوار کے ساتھ کر دیا۔
انہوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ چیونٹیاں انہیں بھول کر اژدھے
کی طرف بڑھ رہی تھیں۔۔۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز منظر یہ تھا
چیونٹیاں اس کے پورے جسم پر پھیل گئیں۔۔۔ اژدھا ان کی نظروں سے
غائب ہو گیا اور چیونٹیاں نظر آتی رہ گئیں۔

"کمال ہے۔۔۔ یہ پورے اژدھے پر اس طرح چھا گئی ہیں
اصل اژدھا نظر بھی نہیں آ رہا"۔

"تعداد زیادہ ہے نا ان کی۔۔۔ دیکھو۔۔۔ جن چیونٹیوں کو جگہ
مل رہی ہے۔۔۔ وہ کر ملوچ کوشش کر رہی ہیں اژدھے کے جسم تک
کی"۔

انہوں نے دیکھا۔۔۔ واقعی۔۔۔ بے شمار چیونٹیاں ابھی تک اژدھے
کے جسم پر جگہ نہیں پا سکی تھیں۔۔۔ تاہم اب سب کی سب اس کے
آس پاس جمع ہو چکی تھیں اور ان کے لیے راستہ صاف تھا۔۔۔ یہ دیکھ
کر آفتاب بولا۔

"واہ انکل۔۔۔ کمال کی ترکیب آپ کے ذہن میں آئی ہے۔۔۔ مان
گئے"۔

"چلو شکریہ۔۔۔ تم نے مانا تو۔۔۔ اب آگے چلیں"۔

"ہاں۔۔۔ بالکل"۔

وہ آگے بڑھے۔۔۔ چیونٹیوں نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔۔۔
اور پھر وہ اس جگہ سے بھی آگے نکل گئے۔۔۔ جس جگہ چیونٹیوں سے
ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

"آگے تو غار صاف نظر آ رہا ہے"۔

"پتا نہیں۔۔۔ آگے کوئی خطرہ ہے یا نہیں۔۔۔ یہ تو آگے چل کر
معلوم ہو گا"۔ منور علی خان بولے۔

ان کے قدم اٹھتے رہے۔۔۔ غار شیطان کی آنت کی طرح لمبا
تھا۔۔ اور ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔۔۔ وہ چلتے چلتے تھک گئے۔۔۔
انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان نے ان کے چہروں پر تھکن کے
آثار دیکھ کر کہا۔

"تھک گئے ہو تو قدرے آرام کر لیتے ہیں"۔

"اس.... اس غار میں"۔ آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"ہاں کیوں.... یہاں کیا خطرہ ہے"۔

"کم از کم وہ چیونٹیاں تو ادھر آ ہی سکتی ہیں"۔

"وہ تو خود اژدھے کو کھانے میں مصروف ہیں"۔

"کب تک.... آخر کو وہ اژدھے کو چٹ کر جائیں گی"۔

"ارے باپ رے.... یہ تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا"۔ منور خان نے گھبرا کر کہا اور حد درجہ خوفزدہ نظر آنے لگے۔

○☆○

پتھر گرتا ہے

وہ سب کے سب خوف کے عالم میں پتھروں کی بارش کو دیکھتے رہے۔ یہ بارش پندرہ منٹ تک جاری رہی.... جن پتھروں کو وہ بہت چھوٹے چھوٹے خیال کر رہے تھے.... ان کے گرنے کے بعد انہوں نے دیکھا۔ وہ کئی کئی من کے تو ضرور تھے۔

"اف میرے مالک.... اگر یہ بارش شہر پر ہوئی ہوتی تو؟"

"اس کا رخ شہر کی طرف ہی تھا.... یہ تو میں نے اس کا رخ تبدیل کر دیا ہے"۔ پروفیسر المان نے ہنس کر کہا۔

"اس شہر کا نظام اب میرے ہاتھ میں ہے.... یہاں جو ہو گا میری مرضی سے ہو گا.... حکام دخل نہیں دیں گے.... اگر دخل دینا ہے تو ابھی یہ مجھے بتا دیں.... میں ایک طرف ہٹ جاتا ہوں"۔

"نن.... نہیں"۔ لوگ چلائے۔

"میرے ایک طرف ہٹنے سے کوئی خاص بات نہیں ہو گی.... بس شہر پر صرف پتھروں کی بارش ہو گی اور اگر آپ نے مجھے اپنا حکمران بنا لیا تو آپ کے شہر پر پتھر نہیں برس سکیں گے.... اگر آپ نے مجھے اپنا

حاکم نہ مانا تو پتھر برسیں گے.... فیصلہ آپ لوگ کر لیں"۔

"ہم آپ کو اپنا حاکم مانتے ہیں"۔ پورا شہر چلا اٹھا۔

"بہت خوب! لیکن مجھے حاکم ماننا اتنا آسان کام نہیں ہے"۔

"کیا مطلب؟"

"میں حضرت عیسیٰ کا ماننے والا ہوں.... وہ جو دین ہمارے لائے تھے.... میں اس دین کا پیروکار ہوں.... جب تک آپ سب دین کے تابع نہ آ جائیں گے.... آپ پتھروں کی بارش سے نہیں بچ سکیں گے.... اس لیے کہ پتھروں کی بارش ہر اس شہر پر ہو گی جو عیسائیت قبول نہیں کرے گا اور اس شہر پر نہیں ہو گی.... جو عیسائیت قبول کر لے گا"۔

"کیا!!!" لوگ چلا اٹھے.... شوکی برادرز تو سکتے میں آ گئے اگرچہ انہیں پہلے سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہ بات کہے گا۔

"ہاں! اگر یہ بات منظور ہے تو ٹھیک ہے.... ورنہ پتھروں کی بارش تم لوگوں کا مقدر ہے"۔

لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے ان پر موت طاری ہو گئی ہو۔ شوکی برادرز اور دوسرے آفیسرز کے جسموں میں سنسناہٹ چل رہی تھی.... وہ پوری طرح پروفیسر المان کے شکنجے میں تھے.... پتھروں کی بارش کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے.... انکار کی صورت میں موت ان کے سامنے تھی.... دوسری صورت میں انہیں اپنا مذہب چھوڑنا پڑتا

تھا.... لیکن مذہب چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا.... بلکہ دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو لوگو! اب تو یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ سچا مذہب عیسائیت ہے نہ کہ اسلام.... اگر یہ بات نہ ہوتی تو خداوند عالم تم پر پتھروں کی بارش کیوں برساتا.... اس صورت میں تو پتھر ہم لوگوں کے شہروں پر برسنے چاہئیں تھے.... کیا آپ لوگوں کے پاس اس بات کا جواب ہے؟"

مجمع گنگ ہو کر کھڑا رہا.... اس سوال کا ان میں سے کسی کے پاس جواب نہیں تھا.... آخر تھوڑی دیر بعد پروفیسر المان کی آواز پھر ابھری۔

"اگر آپ لوگوں کو میری بات میں ابھی بھی شک ہے تو میں اپنے ہوٹل میں چلا جاتا ہوں.... پھر اگر یہ بڑا پتھر تم لوگوں پر آ پڑا تو تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا.... اب کہو.... کیا فیصلہ ہے تمہارا.... میں تم لوگوں کو ان پتھروں سے صرف اسی صورت میں بچا سکتا ہوں کہ تم عیسائی مذہب اختیار کر لو"۔

"لیکن ہمارے مذہب کا کیا بنے گا"۔

"دنیا میں صرف سچا مذہب ہی قیامت کے نزدیک سب کا مذہب ہو گا.... یہ پیش گوئی ہے بائبل کی.... یعنی انجیل مقدس کی.... اگر تمہارا مذہب سچا ہوتا تو اس وقت پتھر ہم پر برس رہے ہوتے.... نہ کہ تم

پر۔۔۔ یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ) ہم لوگوں کو کیوں بچاتے اور تم
کیوں برساتے؟"

"تو کیا واقعی حضرت عیسیٰ نمودار ہو چکے ہیں"۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔ کل وہ ٹی وی پر خطاب
گے"۔

لوگ اب بھی خاموش کھڑے رہے۔۔۔ شاید اسلام سے
ان کے لیے عجیب مسئلہ تھا۔۔۔ پھر اچانک ایک آدمی نے بلند آواز
کہا۔

"میں باز آیا اسلام سے اور قبول کیا میں نے عیسائی مذہب

"تو پھر تسلیم کرو۔۔۔ کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں"۔

"ہاں! میں یہ بات مانتا ہوں"۔

پھر تو ایک شور گونج گیا۔۔۔ ان گنت لوگ چلا چلا کر کہنے
وہ عیسائی مذہب اختیار کرنے کے لیے تیار ہیں۔

"کیا اس بھرے مجمعے میں کوئی ایسا بھی ہے۔۔۔ جو عیسائی
اختیار کرنے کے لیے تیار نہ ہو"۔ پروفیسر المان نے دونوں ہاتھ
پہلے مجمعے کو خاموش کروایا اور پھر یہ الفاظ ادا کیے۔

مجمعے پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا اور سب لوگ ایک دوسرے
طرف دیکھنے لگے۔۔۔ اس پر شوکی کی آواز ابھری۔۔۔ اور چونکہ
باقی آفیسرز کے ساتھ تھا' اس لیے آواز پورے مجمعے نے سنی۔

"میں اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں"۔

"چاہے تم پر پتھر ہی کیوں نہ برس پڑیں"۔ پروفیسر المان نے
حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! چاہے مجھ پر پتھر ہی کیوں نہ برس پڑیں"۔

"ہم بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے"۔ کئی آوازیں ابھریں۔
یہ آوازیں شوکی کے بھائیوں' آئی جی صاحب اور چند دوسرے
لوگوں کی تھیں۔

"اس کا انجام جانتے ہو"۔

"سزائے موت۔۔۔ اور کیا ہو گا؟" شوکی نے کہا۔

"موت۔۔۔ کا تم نے ابھی صرف نام سنا ہے"۔

"لیکن ہم ایک بات ضرور جانتے ہیں۔۔۔ کہ موت آخر ایک دن
آ کر رہے گی"۔

"تو جھوٹے مذہب پر مرنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"جھوٹا نہیں سچا"۔

"[illegible] کوئی دلیل ہونی چاہیے"۔

"افسوس! ہم عالم نہیں۔۔۔ ورنہ جواب ضرور دیتے۔۔۔ البتہ اس
مجمعے میں عالم لوگ موجود ہیں۔۔۔ میری درخواست ہے۔۔۔ وہ پروفیسر
کو جواب دیں"۔ شوکی نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

سب ادھر ادھر دیکھنے لگے۔۔۔ لیکن کوئی عالم نہ بولا۔۔۔ شاید

پتھروں کی بارش کا خوف ان پر چھا گیا تھا۔

"کوئی نہیں بولتا نہ سہی.... عالم لوگ اگر موت کے خوف سے چپ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنے سچے دین کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہوا.... ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے"۔

"ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے.... کیونکہ اگر میں نے پتھروں کی بارش کی تو ان کے ساتھ بہت سے بے گناہ بھی مارے جائیں گے"۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے"۔ کئی لوگ چلائے۔

پولیس والے شوکی برادرز کی طرف بڑھے.... جونہی وہ نزدیک پہنچے.... آئی جی صاحب ان سب سے آگے آ گئے۔

"سر آپ بھی؟"

"ہاں! ان سے پہلے مجھے گرفتار کرو.... میں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا"۔

"ہمیں شرمندہ نہ کریں سر.... ہم آپ کو کس طرح گرفتار کر سکتے ہیں"۔

"تو پھر تم بھی اسلام سے نہ چھیڑو"۔

"آپ کے جذبے کو دیکھ کر میں اپنی جگہ سے ہلی ہوں میں کلمہ پڑھتا ہوں.... لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"۔

"بہت خوب.... اب تم خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو"۔

پروفیسر الیان مسکرایا۔

"ضرور.... کیوں نہیں.... میں حاضر ہوں"۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے.... ان لوگوں کو جنگل میں درختوں کے ساتھ باندھ دیا جائے اور پھر اس پتھر کو جنگل پر گرا دوں"۔

"بہت خوب.... مزا آ جائے گا"۔ مجمعے میں سے کچھ لوگ چلائے۔

"ضرور ایسا کرو.... لیکن تمہاری کوئی بات بھی ہمیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکے گی.... اس بات کو لکھ لو"۔

"میرے پاس لکھنے کا وقت نہیں ہے.... زبانی یاد رکھوں گا"۔ پروفیسر بولا۔

"آخر تم لوگوں کا پروگرام کیا ہے"۔ شوکی نے چیخ کر کہا۔

"کس پروگرام کی بات کر رہے ہو بے وقوف.... پوری دنیا عیسائیت قبول کر رہی ہے.... کل کے اور پرسوں کے اخبارات دنیا کو بتا دیں گے.... لیکن تم اس وقت دنیا میں نہیں ہو گے"۔

"تو انہیں دو دن کے لیے کیوں نہ زندہ رکھا جائے.... ہو سکتا ہے.... یہ دنیا کی خبریں پڑھ کر یسوع مسیح پر ایمان لے آئیں"۔

"ان کے ایمان لانے نہ لانے سے یسوع کو کیا فرق پڑ جائے گا.... یہ بات تو خود ان کے اپنے فائدے کی ہے.... نہیں مانتے نہ مانیں.... ہم کیوں ان کے لیے پریشان ہوں.... ان لوگوں کو جنگل میں

لے جا کر درختوں سے باندھ دو۔۔۔ اس وقت اس شہر کا مالک
ہوں۔۔۔ یہاں صرف اور صرف میرا حکم چلے گا۔۔۔ کسی نے بھی
حکم کی خلاف ورزی کی۔۔۔ تو میں پتھروں کے نیچے دفن کر دوں گا
پتھروں کی بارش میرے ایک اشارے پر ہو سکتی ہے۔۔۔ اگر نہیں
اپنے دائیں طرف دیکھو۔۔۔ تم سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر
کی بارش ہو گی۔۔۔ تم صرف اس لیے محفوظ ہو گئے ہو کہ میں
چکے ہو"۔

اب لوگ فوراً اس طرف دیکھنے لگے اور پھر چند منٹ بعد
وہاں برسنے لگے۔۔۔ یہ بھی منوں وزنی پتھر تھے۔۔۔ ان کی آنکھ
بے پناہ خوف دوڑ گیا۔

اور پھر شوکی برادرز اور چند دوسرے لوگوں کو جنہوں نے
چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ جنگل کی طرف لے جایا گیا۔
ان کے آئی جی بھی تھے۔

"آپ ہماری وجہ سے تو ایسا نہیں کر رہے"۔ شوکی نے
بولا۔

"پاگل ہو گئے ہو۔۔۔ مجھے اپنا دین۔۔۔ اپنی جان۔۔۔ اپنے
اپنے بیوی بچوں، حتیٰ کہ اپنے ماں باپ سے بھی پیارا ہے۔۔۔
چیز ہے۔۔۔ میں اپنے دین کے لیے ایسی سو جانیں بھی ہوتیں تو
دیتا۔۔۔ کیا حضرت حمزہؓ نے اپنے دو ٹکڑے اس دین کے

کرائے تھے۔۔۔ کیا حضرت بلالؓ انگاروں پر نہیں لیٹے تھے۔۔۔ کیا حضرت
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مار نہیں کھائی تھی۔۔۔ خود آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے کیا مار نہیں سہی تھی۔۔۔ ان کا خون نہیں بہایا گیا۔۔۔
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا کیا قربانیں نہیں برداشت
کیں۔۔۔ اپنے جسموں کے ٹکڑے نہیں کروائے۔۔۔ آخر ہم کیوں اپنا
دین چھوڑ دیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ اگر تم اس وقت عیسائیت قبول کر
لیتے تو مجھے سب سے زیادہ نفرت تم سے محسوس ہوتی۔۔۔ لیکن اب مجھے
سب سے زیادہ پیار و محبت تم سے محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ تم بہت اچھے
ہو شوکی۔۔۔ مجھے تم پر فخر ہے"۔ وہ جذباتی آواز میں کہتے چلے گئے۔

"شکریہ سر۔۔۔ ہمیں اپنی غلط فہمی پر افسوس ہے۔۔۔ آپ بہت
عظیم ہیں۔۔۔ آپ کے اور بھی تو ساتھی ہیں۔۔۔ انہوں نے تو اس جذبے
کا اظہار نہیں کیا۔۔۔ انہوں نے فوراً ہی عیسائیت قبول کر لی۔۔۔ ڈر گئے
موت سے جیسے انہیں اب موت کبھی نہیں آئے گی"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو شوکی۔۔۔ انہیں موت آئے گی اور ذلت
کی۔۔۔ ہم عزت کی موت مریں گے اور آسمان پر ہمارا استقبال فرشتے
اور حوریں کریں گے۔۔۔ آؤ اس جنگل کی طرف چلیں۔۔۔ جہاں پروفیسر
شیطان اپنا آخری زور لگائے گا۔۔۔ ہمیں پروا نہیں۔۔۔ وہ کر لے جو اسے
کرنا ہے"۔

جنگل میں لا کر انہیں درختوں سے باندھ دیا گیا۔۔۔ اس طرح کہ

وہ ہل جل بھی نہ سکیں.... انہیں زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ
سے باندھنے والے انہی کے گلے کے آدمی تھے.... ان کے چہروں
رنج و غم نظر نہیں آ رہا تھا.... جیسے انہیں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"اب سب لوگ جنگل میں سے نکل جائیں.... فضا میں
یہ پورے شہر جتنا پتھر.... جس کا وزن ہزاروں ٹن ہو گا.... اب اس
پر گرے گا اور یہ جنگل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا"۔

"لیکن سر.... آپ جنگل کو ان چند لوگوں کے لیے
کرتے ہیں.... اس کام کے لیے تو صرف چند گولیاں کافی ہیں....
کے اور بھی کئی طریقے ہو سکتے ہیں.... اس پتھر کو واپس اوپر فضا
دیں"۔ کسی نے مشورہ دیا۔

"نہیں.... اب جو فیصلہ ہو چکا ہو چکا.... اس سے زیادہ
موت انہیں اور کوئی نہیں دے سکتا.... یہ بھی کیا یاد کریں گے"۔

"ایک منٹ ٹھہرو.... میں نے بھی عیسائیت قبول نہیں کی
بھی ان کے ساتھ باندھ دو"۔ کسی نے چیخ کر کہا۔

سب لوگ مجمعے میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے

"یہ کون بولا تھا؟"

"میں بولا تھا.... جب سارا مجمع عیسائیت قبول کرنے کا
رہا تھا میں خاموش رہا تھا.... لیکن موت کے خوف سے میں یہ
کر سکا کہ میں نے عیسائیت قبول نہیں کی.... لیکن ان لوگوں

نے مجھے ایک سبق دیا ہے.... پورے شہر میں اپنے دین پر قائم رہنے
والے اتنے کم نہیں ہونے چاہئیں.... کم از کم میں ان کی تعداد میں ایک
کا تو اضافہ کر دوں"۔

"آؤ آؤ.... اگر کوئی اور بھی مرنے کا خواہش مند ہے تو وہ بھی
شوق سے آ جائے"۔ پروفیسر المان نے بلند آواز میں کہا۔

"ہم بھی آ رہے ہیں.... اسلام پر کٹ مرنے کے لیے"۔ کئی
آوازیں ابھریں۔

پروفیسر المان کی پیشانی پر بل پڑ گئے.... اس بار اس نے منہ سے
کچھ نہ کہا۔

دس کے قریب آدمی اور وہاں آ گئے.... اور پھر انہیں بھی
درختوں سے باندھ دیا گیا۔

"باقی لوگ جنگل سے دور ہوتے چلے جائیں"۔ آخر اس نے
کہا۔

پروفیسر المان بھی ان سب کے ساتھ جنگل سے دور ہوتا چلا
گیا.... پھر وہ اپنے ہوٹل کی چھت پر چڑھ گیا' لوگ نیچے کھڑے
رہے.... اس نے بلند آواز میں کہا۔

"آپ لوگ پتھر پر نظریں جما دیں اور سوچیں.... اگر آپ نے
عیسائی مذہب اختیار نہ کیا ہوتا تو آپ کا کیا ہوتا.... اب پتھر آہستہ آہستہ
زمین کی طرف آئے گا.... یہ بہت تیزی سے بھی نیچے آ سکتا ہے....

لیکن اس طرح مزا نہیں آئے گا"۔

وہ ان سب سے مخاطب تھا۔۔۔ لیکن اس کی نظریں
تھیں۔۔۔ نظریں ہٹا کر اس نے ایک بار بھی ان کی طرف نہیں
تھا۔۔۔ اور پھر لوگوں نے پتھر کو آہستہ آہستہ نیچے آتے دیکھا۔

ادھر شوکی برادرز نے نظریں اوپر اٹھا رکھی تھیں۔۔۔ انہیں
جب پتھر کو نیچے اترتے دیکھا تو شوکی نے پروفیسر غالب کی طرف دیکھا
جذباتی آواز میں کہا۔

"ہم بالکل درست راستے پر ہیں نا پروفیسر صاحب"۔

"بالکل۔۔۔ ایک لمحے کے لیے بھی ایسی کوئی بات نہ
شوکی"۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں! میں ایسی کوئی بات نہیں سوچ رہا۔۔۔ میں تو یہ کہہ
ہوں۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریں گے نا۔۔۔ ہمیں اس پتھر سے بچائیں
گے نا"۔

"یہ نہیں کہا جا سکتا۔۔۔ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے لیے دو ٹکڑے ہو گئیں۔۔۔ اسلام کے لیے سب سے پہلے شہید
ہونے والی خاتون۔۔۔ پھر ان گنت صحابہ کرامؓ نے اسلام کی خاطر
جانیں قربان کیں۔۔۔ یہ تو سب اللہ کی مرضی ہے۔۔۔ وہ جان لینا چاہے
بچانا۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا' آگ اللہ کے
حکم سے ٹھنڈی ہو گئی۔۔۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلا سکی۔

لیکن ایک نبی نے دشمنوں سے بچنے کے لیے ایک درخت کی کھوہ میں
پناہ لی۔۔۔ دشمن درخت کو آرے سے کاٹنے لگے تو اللہ نے اپنے نبی کو
حکم دیا کہ خاموش! منہ سے کوئی آواز نہ نکلے۔۔۔ وہ آرے سے دو
ٹکڑے ہو گئے اور منہ سے لفظ نہ نکلا۔۔۔ مطلب یہ کہ کس وقت اللہ
کی کیا مرضی ہوتی ہے۔۔۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔۔۔ اگر ہمیں بچانے کی
مرضی ہو تو ہم بچ جائیں گے۔۔۔ ورنہ اللہ کے راستے میں قربان ہو
جائیں گے۔۔۔ ہمارے لیے دونوں سودے مہنگے نہیں ہیں"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کا کیا
بنے گا"۔

"دنیا کا وہی مالک ہے۔۔۔ ہم تو حقیر بندے ہیں۔۔۔ زندہ رہے تو
پروفیسر الیاس یا اس کے آقاؤں کی اس سازش کو ضرور بے نقاب کریں
گے۔۔۔ اور اگر مر گئے تو ابھی اور لوگ زندہ ہیں۔۔۔ تم یہ نہ بھولو
شوکی۔۔۔ دنیا میں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا جیسے لوگ موجود
ہیں"۔

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں۔۔۔ آیئے ہم اپنے اللہ کو یاد
کریں۔۔۔ آخری لمحات میں اللہ کو ضرور یاد کرنا چاہیے۔۔۔ آخر کو ہم
سے نہ جانے کتنے گناہ بھی تو ہوتے رہے ہیں اس دنیا میں"۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے"۔

وہ خاموش ہو گئے اور لگے اللہ کا ذکر کرنے۔۔۔ اور پتھر آہستہ

آہستہ نیچے آنے لگا... وہ واقعی بہت بڑا تھا... جوں جوں نیچے
تھا... اس کا حجم بڑا ہوتا نظر آ رہا تھا... وہ سب آنکھیں پھاڑے
طرف دیکھ رہے تھے... ساتھ ساتھ سب لوگوں کی آنکھوں میں
بڑھتا جا رہا تھا... لیکن دیکھنے والوں کی آنکھوں میں... ان کی
میں جو اپنے دین سے پھر گئے تھے... جنھوں نے موت کے خوف
عیسائیت قبول کر لی تھی... دوسری طرف شوکی برادرز تھے... ان
آنکھوں میں خوف کا نام و نشان نہیں تھا... وہ تو بس اللہ کو یاد کر
تھے... ان کے ہونٹ مسلسل حرکت کرتے نظر آ رہے تھے... اب
کلمہ طیبہ پڑھ رہے تھے... پتھر برابر نیچے آ رہا تھا... اور پھر وہ اس
نیچے آ گیا کہ ہوٹل کی چھت سے ذرا اوپر رہ گیا... لوگوں کو یوں محسوس
ہوا جیسا کہ کوئی بہت بڑا بادل سا چھا گیا ہو۔

"لوگو! دیکھ لو... سچے اور جھوٹے کا فرق... اگر یہ لوگ
ہوتے... تو یہ پتھر کیوں ان پر گرتا... خداوند عالم انہیں اس لیے
دے رہا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں... اور تم نے چونکہ سچائی کو اختیار
ہے... اس لیے تم لوگ اس پتھر سے بال بال بچ گئے ہو... اب
لوگوں کا آخری وقت ہے اور تم ان کی چیخیں سننے کے لیے چلے
جاؤ... لیکن نہیں... خیر اتنے فاصلے سے ان کی چیخیں بھلا سنائی
گی... خیر... انجام تو دیکھ ہی رہے ہو"۔

پتھر اور نیچے ہو گیا... یہاں تک کہ ہوٹل کی چھت سے بھی

ہو گیا... اب پروفیسر المان کی نظریں اوپر کی بجائے نیچے ہو گئیں۔
اور پھر انہوں نے پتھر کو جنگل پر گرتے دیکھا۔

○☆○

سفوف

"دوپٹہ بے شک امی جان کا ہے۔۔۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ
یہاں تک پہنچے یا نہیں"۔ محمود بڑبڑایا۔

انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔۔۔ ان کی کار کے ٹائروں
نشانات آخر انہیں نظر آ گئے۔۔۔ گویا یہاں سے وہ کار پر گئے
تھے۔۔۔ ورنہ یہاں کار کھڑی ہوتی۔

"یہ رہے ٹائروں کے نشانات۔۔۔ وہ اس طرف گئے ہیں۔۔۔
طرح ایک اور کار کے نشانات بھی ہیں۔۔۔ بات واضح ہو گئی۔۔۔ اس
موقع پا کر امی جان نے اپنا دوپٹہ باہر پھینک دیا ہو گا۔۔۔ تاکہ ہم
دیکھ سکیں۔۔۔ ابا جان کو بھی دوپٹہ نظر آ گیا ہو گا۔۔۔ آؤ جلدی کرو"۔

وہ اس سمت میں چل پڑے۔۔۔ اب خان رحمان کو درختوں
درمیان کار چلانا پڑ رہی تھی۔۔۔ اور یہ کافی مشکل کام تھا۔۔۔ لیکن
بہت مہارت سے چلا رہے تھے۔۔۔ اور پھر سڑک بہت پیچھے رہ گئی
لیکن ان کا سفر ختم نہ ہوا۔۔۔ انہیں بہت دیر تک چلنا پڑا۔۔۔ تب کہیں
کر انہیں دو کاریں کھڑی نظر آئیں۔۔۔ ایک کار انسپکٹر جمشید کی تھی

اور دوسری اغوا کرنے والوں کی۔۔۔ دونوں کاریں ساتھ ساتھ کھڑی دیکھ
کر انہیں حیرت بھی ہوئی۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے۔۔۔ جیسے ان کی صلح ہو گئی ہے"۔ محمود بولا۔

"کن کی۔۔۔ کاروں کی"۔ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں۔۔۔ کاروں میں بیٹھ کر یہاں آنے والوں کی"۔

"چلو یہ اور اچھا ہے۔۔۔ لڑائی جھگڑے سے بچیں گے"۔

اب انہوں نے بھی اپنی کار ان کے برابر کھڑی کر دی۔۔۔ اور اتر
کے آگے بڑھے۔۔۔ آگے ایک بہت پرانی عمارت نظر آ رہی تھی۔۔۔
عمارت کے آس پاس کوئی نہ تھا۔۔۔ وہ بے دھڑک آگے بڑھتے چلے
گئے۔۔۔ دروازہ انہیں کھلا نظر آیا۔۔۔ انہوں نے سوچا نہ سمجھا۔۔۔ اندر
داخل ہو گئے۔۔۔ بے چینی انہیں۔۔۔ سوچنے کا موقع ہی نہیں دے رہی
تھی۔

اندر انہیں کئی کمروں کے دروازے نظر آئے۔۔۔ لیکن سب کے
سب بند تھے۔۔۔ صرف ایک دروازہ کھلا تھا۔۔۔ وہ اس کی طرف
دوڑے۔۔۔ اور پھر ٹھٹک کر رہ گئے۔۔۔ اندر ان کے والد اور والدہ ستون
کے ساتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔۔۔ ان کے منہ بھی بند کر
دیے گئے تھے۔

وہ دوڑ کر جونہی ان تک پہنچے۔۔۔ دروازہ کھٹ سے بند ہونے کی
آواز سنائی دی۔

"انہوں نے کوئی پروا نہ کی۔۔۔ پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔۔۔ فوراً ان کے منہ کھول ڈالے۔۔۔ دونوں ہوش میں تھے۔

"میں جانتا تھا۔۔۔ تم بھی یہی غلطی کرو گے۔۔۔ جو میں کر چکا ہوں"۔ انسپکٹر جمشید نے اداس آواز میں کہا۔

"جی کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"میں بھی تمہاری امی جان کے چکر میں سوچے سمجھے بغیر اس عمارت میں داخل ہو گیا تھا۔۔۔ وہ لوگ تمہاری امی جان کو پہلے ہی یہاں باندھ چکے تھے۔۔۔ جونہی میں انہیں کھولنے کے لیے آگے بڑھا۔۔۔ کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"تو پھر آپ بندھے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہیں"۔

"اوپر دیکھو"۔ انہوں نے اداس انداز میں کہا۔

انہوں نے اوپر دیکھا۔۔۔ وہاں ایک چوکور خلا نظر آیا۔۔۔ اس کے چاروں طرف کلاشن کوفوں کی نالیں نظر آئیں۔

"گویا آپ کو انہوں نے اوپر دیکھنے کے لیے کہا تھا"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"ہاں! جب میں نے اوپر دیکھا تو ساکت رہ گیا۔۔۔ اس لیے کہ سامنے کھڑے دشمن پر وار کیا جا سکتا ہے۔۔۔ پیچھے کھڑے دشمن پر بھی حملہ کیا جا سکتا ہے۔۔۔ نیچے لیٹے یا بیٹھے دشمن کو بھی قابو میں کیا جا سکتا ہے۔۔۔ لیکن اس قدر اونچائی پر بیٹھے دشمنوں کا کیا کیا جا سکتا ہے۔۔۔ جن

کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں ہیں۔۔۔ بس صرف کلاشن کوفوں کی نالیں نظر آ رہی ہیں۔۔۔ خود کلاشن کوفوں والے نظر نہیں آ رہے"۔

"لیکن پھر بھی۔۔۔ انہوں نے آپ کو کس طرح باندھا ہے۔۔۔ آخر اس کام کے لیے بھی تو کوئی اندر آیا ہو گا"۔

"ہاں! آیا تھا۔۔۔ ایک آدمی۔۔۔ انہوں نے مجھے کرسی پر بیٹھ جانے کے لیے کہا۔۔۔ میں بیٹھ گیا۔۔۔ پھر وہ آدمی اندر آیا اور مجھے باندھنے لگا"۔

"لیکن کیوں۔۔۔ آپ اسے قابو میں کر سکتے تھے"۔

"کیسے۔۔۔ میں اسے قابو میں کرتا تو یہ لوگ تمہاری امی پر فائر کھول دیتے"۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور اب یہی حربہ یہ تم لوگوں کو باندھنے کے لیے اختیار کریں گے"۔

"دھت تیرے کی"۔ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"تم لوگوں کے ابا جان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔۔ کرسیوں پر بیٹھ جاؤ اور خود کو آرام اور سکون سے بندھوا لو۔۔۔ اسی میں تم لوگوں کی بھلائی ہے۔۔۔ ورنہ ہم فائر کھول دیں گے اور تم کچھ نہیں کر سکو گے۔۔۔ اس لیے کہ۔۔۔"

"اس لیے کہ۔۔۔ کیا؟"

"اس لیے کہ اس مہم کے انچارج مسٹر ابطال ہیں.... ابطال"۔

"کیا کہا.... ابطال"۔ وہ زور سے چونکے۔

"ہاں! ابطال.... جنہیں دنیا میں آج تک کسی نے بھی نہیں دیکھا"۔

"تب پھر.... تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اس مہم کے انچارج مسٹر ابطال ہیں"۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے.... ہمیں ابطال کے لیے کام کرتے ایک مدت گزر گئی ہے.... یہ کوئی پہلا کام نہیں کر رہے"۔

"خیر.... گویا آج کل ابطال ہمارے ملک میں ہے"۔

"یہ نہیں کہا جا سکتا.... کوئی نہیں جانتا.... وہ اس وقت دنیا کے کس حصے میں ہیں"۔

"تب پھر وہ تم لوگوں کو ہدایت کس طرح دیتا ہے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"ایک طرفہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے.... بلکہ ایسا لگتا ہے.... جیسے وہ ہمیں دیکھ بھی رہا ہو"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"پتا نہیں.... یہ ہو سکتا ہے یا نہیں.... لیکن ہم یہی محسوس کرتے ہیں"۔

"ہمیں اغوا کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

"ہم نہیں جانتے.... ہمیں تو اس نے اغوا کرنے کا حکم دیا تھا.... نہ صرف حکم دیا تھا.... بلکہ اغوا کا سارا پلان بھی بتایا تھا.... یہی وجہ ہے کہ جب ہم آپ لوگوں کے گھر میں داخل ہوئے تو خاتون بھی ہمارے مقابلے میں کچھ نہ کر سکی.... ہمیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ یہ کیا کیا حربے اختیار کرتے ہیں.... چنانچہ ہم ربڑ کا لباس پہن کر گئے.... اوپر عام لباس تھا.... جب ربڑ کے لباس پر کھولتا پانی گرا تو ہمیں کچھ بھی نہ ہوا.... اور خاتون کے ہاتھ پاؤں پھول گئے.... لہٰذا ہم انہیں اٹھا لائے.... ہم جانتے تھے.... کہ آپ لوگ تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئیں گے.... بلکہ ہم کیا.... مسٹر ابطال یہ بات جانتے تھے.... لہٰذا انہوں نے ہمیں پہلے ہی ہدایات دے دی تھیں.... ہمیں یہاں آ کر کیا کرنا تھا.... کس طرح سب لوگوں کو قابو میں کرنا تھا.... یہ بھی انہوں نے ہی بتایا تھا"۔

"تت.... تمہارا مطلب ہے.... چھت میں یہ چوکور خلا بنا کر کلاشن کوفوں کی نالیں نکال کر پوزیشن لینے کے بارے میں بھی مسٹر ابطال نے بتایا تھا"۔

"ہاں.... یہی وجہ ہے کہ اس وقت آپ لوگ ہمارے قابو میں نظر آ رہے ہیں.... ورنہ آپ اور اس آسانی سے کسی کے قابو میں آ جائیں"۔

"لیکن ہم حیران ہیں.... مسٹر ابطال آخر چاہتے کیا ہیں"۔

"یہ بات انہوں نے ہمیں واقعی نہیں بتائی.... اور اب یہ تینوں بھی اپنے آپ کو بندھوا لیں.... پہلے ان میں سے ایک باقی دو کو اچھی طرح باندھ دے.... اگر باندھنے میں کوئی بددیانتی کی گئی تو ہم بری طرح پیش آئیں گے"۔ اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے.... محمود' فاروق.... تم بیٹھ جاؤ.... میں تم دونوں کو باندھ دوں گی"۔

"اچھی بات ہے"۔

تینوں کرسیوں پر بیٹھ گئے.... اس ہال نما کمرے میں بہت کرسیاں تھیں.... فرزانہ نے دونوں کو باری باری باندھ دیا۔

"اب دروازہ کھول کر ہمارا صرف ایک ساتھی اندر آئے گا۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو پھر ہم ان پانچوں کو گولیاں برسا دیں گے"۔

"میں سمجھتی ہوں"۔ فرزانہ نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا۔

"تو پھر کرسی پر بیٹھ جاؤ"۔

وہ کرسی پر بیٹھ گئی.... اور اس نے اسے خوب اچھی طرح کس دیا.... پھر وہ باری باری محمود' فاروق اور خان رحمان کی طرف آیا.... ان کے ہاتھوں اور پیروں کے گرد بندھی رسیوں کا اس نے اچھی طرح جائزہ لیا۔

"بظاہر تو انہیں ٹھیک طرح باندھا گیا ہے"۔ اس نے اوپر منہ

کے کہا۔

"لیکن مسٹر ابقال نے اس موقعے کے لیے ہمیں کچھ اور بتایا ہے.... یہ کہ یہ باندھنے میں اپنی چالاکی سے کام لیں گے.... لہٰذا تم خود بھی ان تینوں کو اچھی طرح باندھ دو.... مطلب یہ کہ رسیاں کھولنے کی ضرورت نہیں.... اس کے اوپر ہی اور رسیاں باندھ دو"۔

"او کے استاد"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ضرور باندھ دو.... ہمیں کوئی پرواہ نہیں.... لیکن پروگرام کیا ہے.... ہمیں کب تک اس طرح باندھے رکھنے کا پروگرام ہے"۔

"یہ مسٹر ابقال جانیں"۔

عین اسی وقت چھت پر ٹوں ٹوں کی آواز گونج اٹھی.... پھر استاد نے کہا۔

"یس سر.... نمبر ون بات کر رہا ہوں"۔

"ان لوگوں کو اب تک باندھا جا چکا ہو گا؟" ابقال کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"جی ہاں آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے"۔

"فرزانہ نے اپنے تین یا چار ساتھیوں کو باندھا ہو گا.... اس کے اوپر بھی تم لوگوں نے رسیاں باندھی یا نہیں"۔

"بالکل باندھی ہیں جی"۔

"ٹھیک ہے.... چھت والے خلا سے ہر وقت دو آدمی کلاشن

کوفوں سے چپکے رہیں۔۔۔ چار چار گھنٹے بعد ڈیوٹیاں تبدیل کر سکتے ہو"۔

"او کے سر"۔

"یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔۔۔ ان میں تم نے محمود کے جوتے کی ایڑی کو سر کا کر دیکھا"۔

"یہ کام ہم بھول گئے سر"۔

"بھولنے کی سزا تو ملے گی۔۔۔ خیر۔۔۔ اب پہلی فرصت میں ایڑی دیکھ لو"۔

"جی بہت بہتر۔۔۔ لیکن سر۔۔۔ یہ ہماری غلطی معاف کر دیں"۔ اس نے کانپ کر کہا۔

"نہیں۔۔۔ میرے ہاں معاف کرنے کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ لیکن سزا معمولی ہو گی۔۔۔ فکر نہ کرو"۔

"او کے سر"۔

جلد ہی ایک آدمی پھر ہال میں داخل ہوا اور جوتے کی ایڑی سے چاقو نکال لے گیا۔

"کیوں! چاقو ملا یا نہیں"۔

"یس سر ملا ہے"۔

"اس چاقو سے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی ایک پور کاٹ لو۔۔۔ یہی تم لوگوں کی سزا ہے"۔ سرد آواز ابھری۔

"سر۔۔۔ سر۔۔۔ معاف کر دیں۔۔۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی"۔

"بھائی میں نے بتایا تو ہے۔۔۔ معافی کا لفظ ہمارے ہاں نہیں ہے۔۔۔ پندرہ منٹ بعد بات کروں گا۔۔۔ اس وقت تک سب کی ایک ایک پور الگ ہونی چاہیے۔۔۔ ورنہ تم سب کے جسموں کے چیتھڑے اس عمارت کی چھت پر اڑ جائیں گے"۔

"او کے باس"۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا اور دوسری طرف سے سیٹ بند کر دیا گیا۔۔۔ اس نے سیٹ بند کیا اور چاقو کھول لیا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو استاد۔۔۔ ہم کیوں کاٹیں اپنی انگلیاں۔۔۔ اسے کیا پتا چلے گا۔۔۔ وہ تو نہ جانے یہاں سے کتنی دور بیٹھا ہو گا"۔

"اسے پتا چل جائے گا"۔ استاد نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔ ہم نہیں کاٹیں گے اپنی انگلیاں۔۔۔ ہم یہ نوکری چھوڑ کر ابھی اور اسی وقت جا رہے ہیں"۔

"افسوس! تم نہیں جا سکو گے"۔

"کیوں نہیں جا سکیں گے؟"

"تم باس کو نہیں جانتے۔۔۔ اس شہر میں مجھ سے زیادہ اس کو کوئی نہیں جانتا۔۔۔ لہٰذا اب دیکھو میں تم سب کے سامنے اپنی ہی انگلی کاٹ رہا ہوں۔۔۔ اس سے تم اندازہ لگا لو گے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی استاد کی دلدوز چیخ گونجی۔۔۔ اور خون کے فوارے تیزی سے نیچے گرنے لگے۔۔۔ ان کے جسموں میں سنسنی دوڑ گئی۔

"یہ کیسے بے وقوف لوگ ہیں جمشید۔۔۔ باس ان کے پاس موجود

نہیں... پھر بھی انگلیوں کو کاٹ رہے ہیں"۔ خان رحمان بولے۔

"ہاں! یہ بہت بے وقوف ہیں... لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس موقعے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں"۔ فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"اوہ ہاں!" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے... پھر انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"بے وقوف نہ بنو... اپنی انگلیاں نہ کاٹو... باس تم لوگوں کو نہیں بگاڑ سکتا... ہمیں ان رسیوں سے نجات دلاؤ... ہم تم لوگوں کو باس سے بچائیں گے"۔

"تم بچاؤ گے... خود کو تو اس کے چنگل سے بچا نہیں سکے" اس نے تکلیف بھری آواز میں کہا۔

"تم اپنی انگلی کاٹ چکے... میں تم سے نہیں... ان باقی ساتھیوں سے کہہ رہا ہوں... استاد سے کلاشن کوف چھین لو... اور ہمیں دے دو... پھر دیکھنا... ہم کس طرح تم لوگوں کی مدد کرتے ہیں... جیل جانے سے بھی بچا لیں گے"۔

"کیا خیال ہے دوستو... انسپکٹر جمشید کی بات کیوں نہ مان لیں... بہت سنہری موقع ہے"۔

"خبردار... الو کے پٹھو... ہاتھ اوپر اٹھا لو"۔ استاد کی

گونجی۔

"نہیں استاد... تمہاری انگلی سے خون بہہ رہا ہے... تم کلاشن کوف نہیں سنبھال سکو گے... ہم انسپکٹر جمشید کا ساتھ دیں گے... اپنی انگلیاں نہیں کٹوائیں گے"۔

"تم لوگ اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کر رہے ہو... انسپکٹر جمشید تم لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں... اس وقت وہ پھنسے ہوئے ہیں نا اس لیے"۔

"نہیں... وہ جھوٹا وعدہ نہیں کرتے... یہ بات ان کے بارے میں بہت مشہور ہے... استاد تم اپنی کلاشن کوف نیچے گرا دو... اس لیے کہ اس وقت دس کلاشن کوفیں ہمارے ہاتھ میں ہیں اور ایک تمہارے ہاتھ میں... تم ایک سے کیا کرو گے"۔

"تم میں سے تین چار کو تو ڈھیر کر دوں گا"۔

"اس وقت تک خود بھی دوسری دنیا میں پہنچ چکے ہو گے"۔

عین اسی وقت ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔

"خبردار استاد... ہمارے بارے میں اگر اسے کچھ بتایا تو"۔

"میں کیا بتاؤں گا... اسے تو پہلے ہی معلوم ہو گا... لو خود سن لو"۔ اشار نے جھلا کر کہا۔

اور پھر استاد کی آواز گونجی۔

"ہیلو سر... نمبر ا بات کر رہا ہوں"۔

"تم اپنی انگلی کاٹ چکے ہو.... جب کہ باقی لوگوں نے اپنی انگلیاں نہیں کاٹیں"۔

"آپ.... آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"میں تو یہ بھی جانتا ہوں.... اب یہ لوگ انسپکٹر جمشید کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو چکے ہیں.... اور تم پر کلاشن کوفیس تانے کھڑے ہیں.... اور تم ان پر.... یہی بات ہے نا"۔

"ہاں سر.... کمال ہے.... آپ اس قدر درست باتیں کس طرح معلوم کر لیتے ہیں.... جب کہ یہاں سے نہ جانے کتنے فاصلے پر ہوں گے"۔

"اپنے ان ساتھیوں کا انجام بھی دیکھ لو"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان دس کے دس کے جسم.... فضا میں اچھلے.... بہت اونچائی تک اچھلے اور چھت سے نیچے جا گرے.... چھت پہلے ہی بہت اونچی تھی.... کچھ وہ اونچے اچھلے تھے.... لہٰذا اس قدر اونچائی سے گرنے کے بعد ان کا بچنا بہت مشکل تھا۔

"میں نے ان کی چیخیں سنی ہیں.... تم نے دیکھا.... میں اپنے دوستوں کی مدد کس طرح کرتا ہوں"۔

"ہاں باس! میں تو یہ بات پہلے ہی جانتا تھا.... اسی لیے تو میں نے فوراً اپنی انگلی کاٹ لی تھی"۔

"انگلی کا زخم ٹھیک ہو جائے گا.... لیکن ان کی زندگیاں واپس

نہیں آئیں گی.... اب تم دس اور ساتھیوں کو ملازم رکھ لو.... اور ان کی لاشوں کو جنگل میں دور پھینک آؤ.... جنگل کے جانور جلد ہی انہیں چاٹ جائیں گے.... اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی"۔

"لیکن باس! یہاں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی موجود ہیں"۔

"وہ بندھے ہوئے ہیں.... اور ان کا اس عمارت سے نکلنا آسان کام نہیں.... ہاں اتنا موقع انہیں ضرور مل رہا ہے.... کہ تمہیں دس ساتھی لانے کے لیے شہر جانا پڑ گیا ہے.... لیکن کوئی بات نہیں.... تم انہیں بے ہوش کر کے چلے جاؤ.... سلوف نمبر ۳ اوپر سے نیچے چھڑک دو.... یہ تین گھنٹے کے لیے بے ہوش ہو جائیں گے.... اس وقت تک تو تم اپنے ساتھی لے ہی آؤ گے"۔

"ہاں! ضرور باس.... کیوں نہیں"۔

"تو ٹھیک ہے.... پہلے یہ کام کرو.... پھر آئندہ ہدایات دوں گا"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی سلسلہ کاٹ دیا گیا۔

"پاگل نہ بنو استاد.... باس کا ساتھ تمہارے لیے تباہ کن ثابت ہو گا.... اب بھی وقت ہے.... ہمارا ساتھ دو.... ہم تمہیں جیل جانے سے بچا سکتے ہیں.... ورنہ پچھتانا تمہارا مقدر ہے"۔

"میں باس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا.... باس بہت طاقتور ہے.... تم لوگ اس کی طاقت کے بارے میں اندازہ تک نہیں کر سکتے.... لو اب ذرا بے ہوشی کے مزے بھی چکھ لو"۔

"ان الفاظ کے ساتھ ہی اوپر سے باریک سے سفوف کی پھواری برسنے لگی۔

انہوں نے اپنے سانس روک لیے.... ایسے میں استاد کا قہقہہ گونجا۔

"میں جانتا ہوں.... تم کچھ دیر کے لیے سانس روکے رکھو گے.... لیکن کب تک.... میرے پاس بھی اور سفوف ہے"۔

اور واقعی اس نے غلط نہیں کہا تھا.... سفوف کئی منٹ تک برستا رہا.... یہاں تک کہ وہ سانس لینے پر مجبور ہو گئے۔

○☆○

حیرت کے دیے

"کیا مطلب منور علی خان.... تم کیوں خوف زدہ ہو گئے.... چیونٹیاں اژدھے کو چٹ کرنے کے بعد اس طرح کیوں آنے لگیں"۔

"وہ ادھر نہیں آئیں گی.... لیکن اژدھے کو چٹ کرنے کے بعد وہ واپس اسی طرح چھت سے جا چمٹیں گی.... گویا ہماری واپسی کا راستا تو بند ہو گیا نا"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تب پھر ابھی وقت ہے.... اس وقت تو وہ اژدھے سے چمٹی ہوں گی.... ہم واپس جا سکتے ہیں"۔ آفتاب نے کہا۔

"لیکن اس طرح ہم پورا غار نہیں دیکھ سکیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تو کیا ابا جان.... غار کو آخر تک دیکھنا بہت ضرور ہے"۔

"ہاں بہت.... بہت سے زیادہ ضروری"۔ وہ مسکرائے۔

"تب پھر چلیے آگے.... چیونٹیوں کے بارے میں بعد میں دیکھیں گے"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے" منور علی خان مسکرائے۔

اور وہ پھر آگے بڑھنے لگے۔۔۔ اچانک انہیں ایک جگہ رک جانا پڑا۔۔۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے دیے جل اٹھے۔۔۔ غار نے ایک کمرے کی صورت اختیار کر لی تھی۔۔۔ ان کے سامنے کمرے کا دروازہ تھا۔۔۔ وہ اس میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے تو اور بھی حیرت میں ڈوبتے چلے گئے۔۔۔ اندر پرانے زمانے کی کچھ چیزیں موجود تھیں۔۔۔ چند تلواریں۔۔۔ زرہیں۔۔۔ تیر۔۔۔ کمانیں۔۔۔ لوہے کے خود۔۔۔ جن کا پیتل یا لوہا اب سیاہ ہو چکا تھا۔۔۔ ان چیزوں میں ایک عصا بھی تھا۔۔۔ ٹیڑھی میڑھی لکڑی کا عصا۔۔۔ وہ بھی بالکل سیاہ رنگ کا ہو چکا تھا۔

"منور علی خان! ہمیں یہ چیزیں بھی لے جانا ہوں گی۔۔۔ خیر واپسی پر لے چلیں گے"۔

"لیکن ہم ان کا کریں گے کیا کامران مرزا"۔

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا"۔

"اوہو۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ دیکھو بھئی"۔

انہوں نے دیکھا۔۔۔ منور علی خان کی نظریں دیوار میں ابھرے ہوئے ایک پتھر پر جمی تھیں۔

"یہ صرف ایک پتھر ہے۔۔۔ دیوار میں ابھرا ہوا"۔

"لیکن اس پورے کمرے کی دیواریں بہت سلیقے سے تراشی گئی ہیں۔۔۔ کہیں کوئی ابھار نہیں ہے۔۔۔ آخر یہاں یہ ابھار کیوں ہے؟"

"اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں انکل"۔

"میں دیکھتا ہوں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انہوں نے زور لگایا۔۔۔ گھما کر اور دبا کر بھی دیکھا۔۔۔ لیکن کچھ نہ ہوا۔۔۔ آخر بولے۔۔۔ یا تو یہ ایسے ہی آگے نکلا رہ گیا اور تراشنے والا بھول گیا۔۔۔ یا پھر کوئی اور وجہ رہی ہو گی"۔

آخر وہ کمرے سے نکل کر غار کے دوسری طرف چل پڑے۔۔۔ ابھی تک غار ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے۔۔۔ جیسے ہم ساری زندگی اس غار میں چلتے رہیں گے۔۔۔ اور یہ غار ختم نہیں ہو گا۔۔۔ ہماری زندگیاں ختم ہو جائیں گی"۔ آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"بھئی اگر تم تھک گئے تو واپس لوٹ جاؤ۔۔۔ واپسی پر ہم تمہیں غار کے دہانے سے ساتھ لے لیں گے"۔ آصف مسکرایا۔

"اوہو۔۔۔ بات تھکنے کی نہیں ہے"۔

"تو پھر کس کی ہے؟" فرحت بولی۔

"وقت گزرنے کی۔۔۔ آخر اس غار میں چلتے ہوئے چمکنا کیوں بھول گئے ہیں۔۔۔ ہمیں سانپ تو نہیں سونگھ گیا ہے"۔

"نہیں تو سانپ کو تو الٹا ہم سونگھ آئے ہیں۔۔۔ بلکہ اژدھا کہو"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"واقعی۔۔۔ اس غار کی خوفناکی کو اپنی باتوں سے دور کرو"۔ منور

علی خان بولے۔

"لیکن اگر ان کی باتیں شروع ہو گئیں تو پھر ختم ہونے کا ہ
نہیں لیں گی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہو۔۔۔ اباجان۔۔۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔۔۔ غار کون سا خ
ہونے کا نام لے رہا ہے۔۔۔ آپ غار کو تو کچھ کہہ نہیں رہے۔۔۔ ہمیں
کہہ رہے ہیں"۔ آفتاب نے جل کر کہا۔

"لیکن غار باتیں کب کر رہا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"واہ۔۔۔ کیا جواب ہے"۔ منور علی خان نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آخر آپ بھی اپنے دوست کا ساتھ دینے لگے۔۔۔ ویسے ایک
بات حیرت کی ہے۔۔۔ غار میں گھٹن نہیں ہے۔۔۔ جب کہ ہوا کی آمد
رفت کا کوئی راستا نظر نہیں آیا"۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ دوسری طرف سے کھلا ہوا ہو۔۔۔ اور ا
طرف سے ہوا اندر آتی ہو"۔

"ہاں! اس بات کا امکان ہے"۔

"ایک بات کہوں کامران مرزا"۔ منور علی خان نے سوچ میں
لہجے میں بولے۔

"ہاں کہو"۔

"فرض کیا۔۔۔ غار کے آخری سرے پر بھی دہانہ ہو اور ہم ا
طرف سے بھی باہر نکلنے کے قابل ہوئے۔۔۔ تو کیا ہم پھر بھی اسی ر

سے واپس آئیں گے۔۔۔ جب کہ راستے میں چیونٹیوں والا خطرہ موجود
ہے"۔

"نہیں۔۔۔ پھر اس طرف سے آنے کی کیا ضرور ہے"۔

"اس صورت میں پرانے زمانے کی چیزیں اٹھانے کے لیے پھر
واپس آنا پڑے گا۔۔۔ تو کیوں نہ ان چیزوں کو ساتھ لے چلیں"۔

"بات معقول ہے"۔

وہ واپس پلٹے۔۔۔ اس کمرے میں آئے اور چیزیں اٹھانے لگے۔۔۔
ایسے میں منور علی خان بہت زور سے اچھلے۔۔۔ ان کی آنکھیں حیرت سے
پھیل گئیں۔

"کیا ہوا بھئی۔۔۔ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے"۔

"اف مالک۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ کیا یہ جادو کا غار ہے"۔

"آخر کیا۔۔۔ کیا ہو گیا ہے؟"

"تھوڑی دیر پہلے جب ہم اس کمرے میں تھے۔۔۔ یہاں۔۔۔ اس
جگہ دیوار پر وہ ابھار موجود تھا۔۔۔ جسے ہم نے دبانے اور گھمانے کی
کوشش بھی کی تھی۔۔۔ لیکن اب وہ ابھرا ہوا پتھر غائب ہے"۔

"ارے!!" وہ اچھل پڑے۔

اب ان کی آنکھیں منور علی خان سے بھی زیادہ ابھر آئی
تھیں۔۔۔ ان میں حیرت ہی حیرت تھی۔۔۔ خود انسپکٹر کامران مرزا کا بھی
مارے حیرت کے برا حال تھا۔۔۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ پھر اس جگہ کو

بغور دیکھنے لگے۔۔۔ آخر بولے۔

"وہ پتھر اس دیوار کا حصہ نہیں تھا۔۔۔ یہاں چپکایا گیا تھا اسے"۔

"کیا مطلب؟" وہ پھر حیران ہو کر بولے۔

"ہاں! اس پتھر کو یا وہ جو چیز تھی۔۔۔ یہاں چپکایا گیا تھا؟"

" کیوں؟"

"اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔۔۔ شاید جواب بھی کسی وقت سمجھ میں آئے گا"۔

"کیا اس غار میں ہمارے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی چل رہا ہے"۔

"نہیں خیر۔۔۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے۔۔۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فرحت کب کا اس بات کو محسوس کر چکی ہوتی"۔

"تب پھر"۔

"تب پھر یہ کہ۔۔۔ ہم چلتے ہیں۔۔۔ یہ چیز اس اٹھا کر"۔

انہوں نے مل کر وہ چیزیں بھی اٹھالیں اور کمرے سے نکل کر غارے میں چلتے گئے۔

بہت دیر تک چلنے کے بعد فرحت کی آواز ابھری۔

"ٹھہرو۔۔۔ میں نے ۔۔۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی محسوس کی ہے۔ شاید ہم غار کے دہانے تک پہنچنے والے ہیں"۔

"ہاں! میں بھی یہ محسوس کر چکا ہوں"۔

اچانک انسپکٹر کامران مرزا کو ٹھوکر لگی۔۔۔ وہ گرتے گرتے بچے۔

"بسم اللہ"۔ فرحت نے فوراً کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا اٹھ گئے۔۔۔ وہ اس جگہ کو دیکھنے لگے۔۔۔ جہاں انہیں ٹھوکر لگی تھی۔۔۔ اس جگہ ایک گڑھا سا تھا۔

"اس گڑھے کو دیکھ رہے ہو تم لوگ"۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"جج۔۔۔ جی ہاں"۔ آفتاب ہکلایا۔

"کیا خیال ہے اس کے بارے میں"۔

"بب بس۔۔۔ یہ ایک گڑھا ہے"۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے"۔

"پتا نہیں۔۔۔ کوئی بات ہے یا نہیں۔۔۔ میں تو ابا جان کے انداز پر گھبرا رہا ہوں۔۔۔ اب یہ اس گڑھے پر تحقیق کیے بغیر تو آگے بڑھیں گے نہیں"۔

"کیا کہا۔۔۔ گڑھے پر تحقیق"۔ فرحت اور آصف ایک ساتھ بولے۔

"ہاں گڑھے پر تحقیق"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ انکل کا مذاق اڑانے لگے"۔ آصف نے اسے گھورا۔

"میں اور ابا جان کا مذاق اڑاؤں گا۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا"۔

آفتاب اس کی طرف الٹ پڑا۔

"تو پھر۔۔۔ بولنے سے پہلے سوچ تو لیا کرو"۔

"آفتاب غلط نہیں کہہ رہا"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب؟" آفتاب بھی حیران رہ گیا۔

"تمہارا یہ خیال بالکل درست ہے آفتاب۔۔۔ میں دیکھنا چاہ رہا ہوں کہ یہ گڑھا یہاں کیوں ہے"۔

"مم۔۔۔ میں تو واقعی مذاق کر رہا تھا۔۔۔ آپ سنجیدہ ہو گئے"۔ آفتاب اور بھی گھبرا گیا۔

"منور علی خان۔۔۔ ان تلواروں میں سے ایک تلوار نکالنا ذرا"۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرا قصور اتنا زیادہ نہیں ہے کہ آپ گردن کاٹ دیں"۔ آفتاب لرز گیا۔

"فضول نہ بولو"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"تو آپ اپنا ارادہ نہیں بدل لیں گے"۔ آفتاب بولا۔

"کون سا ارادہ۔۔۔ گردن کاٹنے والا"۔ منور علی خان پریشان ہو کر بولے۔

"ارے نہیں۔۔۔ گڑھے پر تحقیق والا"۔

"چلئے پھر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ دیکھا جائے گا"۔ آفتاب نے لاپروائی کے عالم میں کہا۔

اور پھر منور علی خان نے ایک تلوار نکال کر انہیں دے دی۔

وہ گڑھے کے کنارے پر بیٹھ گئے اور تلوار سے اس جگہ کو کھودنے کی کوشش کرنے لگے۔

"تو ہم ایسا کیوں نہ کریں"۔ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"کک۔۔۔ کیسا کیوں نہ کریں"۔ فرحت بولی۔

"ابا جان گڑھے پر تحقیق مکمل کر لیں۔۔۔ ہم باقی کا غار دیکھ آتے ہیں۔۔۔ غار کا دوسرا دہانہ بھی تو اب آنے ہی والا ہے۔۔۔ میں ٹھنڈی ہوا کے کئی جھونکے محسوس کر چکا ہوں"۔

"نہیں۔۔۔ سب یہیں ٹھہریں گے۔۔۔ یہ گڑھا زیادہ اہم ہے۔۔۔ پورے غار سے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"لیجئے۔۔۔ اب پورے غار سے یہ ننھا سا گڑھا زیادہ اہم ہو گیا"۔

"ہاں! ابھی تم دیکھ لو گے۔۔۔ یہاں زمین بہت نرم ہے۔۔۔ آخر کیوں؟"

"زمین سے پوچھیں۔۔۔ ہمیں کیا معلوم"۔ آفتاب بولا۔

"اچھا چپ رہو۔۔۔ تم سے تو بات کرنا فضول ہے"۔ انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"لاؤ کامران مرزا میں کھودتا ہوں"۔

"باری باری کھودیں گے۔۔۔ یا پھر تم بھی ایک تلوار سنبھال کر بیٹھ جاؤ"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔ منور علی خان بولے اور انہوں نے

بھی ایک تلوار پکڑ لی۔

اب ان کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔۔۔ آفتاب، فرحت اور آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

"کمال ہے۔۔۔ یہ گڑھا تو بہت تیزی سے بڑا ہو رہا ہے"۔

"اور کمال یہ ہے کہ مٹی بھی نہیں نکالنا پڑ رہی۔۔۔ مٹی نیچے کہیں گر رہی ہے"۔

"کک۔۔۔ کہیں یہ جادو کا گڑھا تو نہیں ہے"۔ آصف بولا۔

"جج۔۔۔ جادو کا گڑھا"۔ ان کے منہ سے نکلا۔

"واقعی۔۔۔ تم اسے جادو کا گڑھا کہہ سکتے ہو"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"شکریہ۔۔۔ یہ ہوئی نا بات"۔

اور پھر گڑھا اتنا بڑا ہو گیا کہ اس میں ایک آدمی اتر سکے۔ لیکن نیچے بالکل تاریکی تھی۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ٹارچ کی روشنی اس میں ماری اور اچھل پڑے۔

"غغ۔۔۔ غغ۔۔۔ غار میں تہ خانہ"۔

"غار میں تہ خانہ۔۔۔ ارے واہ۔۔۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔ آفتاب اچھل پڑا۔

"ہو سکتا ہو گا۔۔۔ ہم نے کوئی ٹھیکا نہیں لے رکھا ناولوں کا"۔ فرحت جھلا اٹھی۔

"لل۔۔۔ لیکن کامران مرزا۔۔۔ غار میں تہ خانہ۔۔۔ یہ کس قدر عجیب بات لگتی ہے"۔

"میں۔۔۔ اس تہ خانے میں اتروں گا"۔

"اف مالک۔۔۔ اس خوفناک ارادے سے باز آ جائیں۔۔۔ پتا نہیں نیچے کیا بلائیں ہوں۔۔۔ کہیں کسی کی روحیں ووحیں نہ دفن ہوں"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ روحیں بھی دفن ہوتی ہیں بھلا"۔

"پتا نہیں۔۔۔ یہ تو روحیں ہی بتا سکیں گی"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"یار کان نہ کھاؤ۔۔۔ تہ خانہ کافی گہرا ہے۔۔۔ رسی لٹکا کا اترنا پڑے گا۔۔۔ پہلے صرف میں اتروں گا"۔

"لیکن کامران مرزا۔۔۔ نیچے آکسیجن نہیں ہو گی"۔

"ہمارے پاس آکسیجن کا چھوٹا سا بیگ تو ہے ہی۔۔۔ چند منٹ تو کام آ ہی جائے گا۔۔۔ اور اگر آکسیجن بالکل نہ ہوئی تو پھر اس گڑھے کو بڑا کیا جائے گا۔۔۔ تاکہ آکسیجن اندر جا سکے اور ہم اتر سکیں"۔

"میں کچھ اور سمجھا تھا۔۔۔ آپ کہہ یہ کہنے سے کہ اگر نیچے آکسیجن نہ ہوئی تو"۔ آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ہاں! تم سمجھے تھے کہ اگر آکسیجن نہ ہوئی تو ہم نہیں اتریں گے"۔

"بالکل۔۔۔ یہی بات ہے"۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"تب پہلے تم اترو"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

"م... میں... یعنی کہ میں"۔

"ہاں! تاکہ کچھ دیر تو تمہاری زبان سے نجات مل جائے"۔

"اگر یہ بات ہے تو میں اب نہیں بولوں گا"۔

"بس... ڈر گئے... لائیں اکل... میں اترتا ہوں"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"آئے بڑے اترنے والے... میں اتروں گی"۔ فرحت نے فوراً کہا۔

"زیادہ تاؤ نہ دلاؤ... اب میں ہی اتروں گا"۔

"کمال ہے"۔ منور علی خان ہنس پڑے۔

"یہ ویسے ہی کام چور بنتا رہتا ہے... ہے نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

اور پھر آفتاب کی کمر سے رسی باندھی گئی... تاکہ وہ نیچے جا کر بے ہوش ہو جائے تو اسے اوپر بھی کھینچا جا سکے... رسی کا ایک سرا اسے بھی لٹکا دیا گیا... اور دوسرا انسپکٹر کامران مرزا اور منور علی خان پکڑ کر بیٹھ گئے... پھر آفتاب رسی تھام کر نیچے اترنے لگا... وہ سرکتا چلا گیا۔ کوئی ایک منٹ بعد اس کی آواز انہیں کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی... گونج دار۔

"میرے پیر نیچے لگ گئے ہیں اور اب میں ٹارچ روشن کرتا

ہوں"۔

"ٹھیک ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اندر مدھم سی روشنی نظر آئی... پھر آفتاب کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"م... میں... میں"۔

آواز ڈوب گئی... انہوں نے فوراً رسی اوپر کھینچنی شروع کی... وہ تیزی سے رسی اوپر کھینچنے لگے... ان پر گھبراہٹ بری طرح سوار ہو چکی تھی... کیونکہ آفتاب بے ہوش ہو چکا تھا... اگرچہ اس کے پاس گیس کی تھیلی بھی تھی... لیکن شاید اسے گیس استعمال کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔

آخر وہ اسے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہو گئے... وہ بالکل بے ہوش تھا... اسے غار کے فرش پر لٹا دیا گیا... وہ بے ہوشی کے عالم میں لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

"تھوڑا سا پانی دینا منور علی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کے منہ پر پانی چھڑکا گیا... تین منٹ کی کوشش کے بعد کہیں آفتاب نے آنکھ کھولی۔

"کیوں... کیا حال ہے؟"

"م... میں ٹھیک ہوں"۔ اس نے بے خیال کے عالم میں کہا۔

"وہاں کیا تھا؟"

"کہاں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"تہ خانے میں... غار کے تہ خانے میں"۔

"اوہ... وہاں نیچے... کیا آپ نے مجھے اوپر کھینچ لیا؟"

"اور کیا کرتے... تم بے ہوش ہو گئے تھے"۔

"ہاں! میرا دم گھٹ گیا تھا"۔

"لیکن تم نے آکسیجن کا پائپ کیوں نہ لگایا منہ سے"۔

"مجھے اتنی مہلت ہی نہیں ملی"۔

"کیا تم نیچے کچھ دیکھ سکے"۔

"ہاں! کچھ چودہ پندرہ تابوت ہیں"۔

"کیا کہا... تابوت"۔ وہ چونکے۔

"جی ہاں"۔ اس نے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں... شد
حد درجہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔

"اب مجھے اترنا پڑے گا"۔

"لیکن اس سے پہلے گڑھے کا سوراخ بڑا کیوں نہ کر لیں...
نیچے کی گندی ہوا باہر نکل سکے"۔

"یہ بھی ٹھیک ہے"۔

"عین اسی وقت انہوں نے ایک آواز سنی... انہیں اپنے
کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

○☆○

چٹ

اب وہاں صرف پتھر نظر آ رہا تھا... پورا جنگل غائب ہو چکا تھا... درخت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تم لوگ اپنی آنکھوں سے بے دینوں کا انجام دیکھ چکے... اب میرے بارے میں کیا خیال ہے"۔

"آپ اس شہر کے ہی نہیں... پورے ملک کے حکمران بننے کے لائق ہیں"۔ کئی آوازیں بلند ہوئیں۔

"فی الحال میں اس شہر تک ہی رہنا چاہتا ہوں"۔

"بے چارے... بے موت مارے گئے"۔ کسی نے افسوس ظاہر کیا۔

"ہاں! اگر وہ عیسائیت قبول کر لیتے تو ان کا انجام یہ نہ ہوتا... اب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جائیں... اپنا اپنا کام کریں... اور ان مجسموں کو تالے لگا دیں... بہت جلد ان کو گرا کر ان کی جگہ گرجے تعمیر کروا دیے جائیں گے... شہر میں اس وقت جتنے بھی گرجے ہیں... ہر اتوار کو سب لوگ وہاں جمع ہوں گے... عیسائیت کی تعلیم دی جایا

کرے گی وہاں"۔

"بہت بہتر ہمارے آقا"۔ کسی نے کہا۔

"یہ کون بولا تھا"۔

کوئی کچھ نہ بولا۔۔۔ گویا سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"میں نے پوچھا ہے۔۔۔ یہ کون بولا تھا۔۔۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں"۔

"میں بولا تھا"۔ مجمع میں سے آواز سنائی دی۔

"بہت خوب۔۔۔ تمہارا جملہ پسند آیا۔۔۔ اب میں آقا کہلوانا پسند کروں گا۔۔۔ اور اس خطاب پر میں تمہیں انعام دیتا ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے گلے میں لٹکنے والی سونے کی زنجیر اتاری اور اس کی طرف اچھال دی۔۔۔ لیکن زنجیر کسی اور کے ہاتھ لگی۔

"زنجیر مجھے دو۔۔۔ یہ انعام میرا ہے"۔

وہ لگے ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے۔۔۔ جب جھگڑا بڑھا پروفیسر نے چیخ کر کہا۔

"مسلمانوں کی طرح لڑو نہیں آپس میں۔۔۔ بے وقوفو۔۔۔ کمزور جاؤ گے۔۔۔ اب تم مسلمان نہیں رہے۔۔۔ خداوند عالم کی مہربانی عیسائی ہو گئے ہو۔۔۔ خبردار۔۔۔ فوراً الگ الگ ہو جاؤ۔۔۔ ورنہ اس کی بجلی تم پر گرے گی اور تم بھسم ہو جاؤ گے"۔

اس کی گونج دار آواز نے ان سب کو سما دیا۔۔۔ وہ الگ ہو

اور زنجیر اس آدمی کو دے دی گئی۔۔۔ یہ دیکھ کر وہ بولا۔

"یہ کیا ہے تم نے عیسائیوں والا کام۔۔۔ اب اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔۔۔ حکام میرے ساتھ گورنر ہاؤس تک چلیں گے۔۔۔ اب میں گورنر ہاؤس میں رہوں گا"۔

"بہت جلد دوسرے شہر بھی عیسائی ہونے والے ہیں۔۔۔ آسمان پر اس وقت کھربوں کی تعداد میں پتھر تلے ہوئے ہیں۔۔۔ وہ مسلمانوں کو سانس نہیں لینے دیں گے"۔

"گورنر ہاؤس پہنچ کر اس نے انتظامات کا جائزہ لیا۔۔۔ حکام کو ہدایت دیں اور پھر انہیں رخصت کر دیا۔۔۔ اب گورنر ہاؤ میں اس کے سوا کوئی نہیں رہ گیا تھا۔۔۔ گورنر ہاؤس کے ملازمین ضرور تھے۔۔۔ وہ اپنے کوارٹرز میں تھے یا اپنی جگہ پر موجود تھے۔۔۔ وہ اندرونی کمرے میں آیا اور اپنی اندرونی جیب سے ایک طاقتور ٹرانسمیٹر نکال کر اسے آن کیا اور بولا۔

"ہیلو سر۔۔۔ نمبر ون بات کر رہا ہوں۔۔۔ پہلی کامیابی مبارک ہو۔۔۔ اس شہر پر اب میرا قبضہ ہے"۔

"گڈ! چند دنوں کے اندر پورے ملک میں عیسائیت کا راج ہو گا۔۔۔ کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہیں رہے گا۔۔۔ دوسرے شہروں میں بھی گورنر بھیج دیے گئے ہیں"۔

"بہت خوب سر۔۔۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے"۔

"بس راج کرو... عیش کرو... کوئی مسلمان نظر آئے تو اسے سولی چڑھوا دو... عیسائیت کا بولا بالا کرو... اور احکامات کے منتظر رہو۔ ضرورت پڑنے پر احکامات مل جائیں گے"۔

"او کے سر... میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا"۔

"سب سے ضروری کام... سرکاری خزانے پر قبضہ ہے... کرنسی نوٹوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں... سونا جس قدر بھی ہے' وہ تمہارے قبضے میں ہونا چاہیے... یہ تم جانو... کہ سونے پر کس طرح قبضہ کرنا ہے"۔

"آپ فکر نہ کریں... یہ تو میرے بے دام غلام بن چکے ہیں۔ ایک پتھر ان کے سروں پر آ جائے تو یہ اپنے کپڑے تک اتار کر میرے حوالے کر دیں گے... آپ تو سونے کی بات کر رہے ہیں"۔

"بس ٹھیک ہے... جلد از جلد سونا ان سے لے لو... ہر شہر کا سونا وصول کیا جائے گا ان سے"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اور ہاں شوکی برادرز زندہ تو نہیں بچے"۔

"نہیں سر... انہیں درختوں سے بندھوا دیا تھا کہ ان کے بچنے کا کوئی امکان نہ رہے... چلے تھے اپنی مسلمانی دکھانے"۔

"ابھی دو پارٹیاں رہتی ہیں... ان کا جب تک کانٹا نہیں نکل جاتا... اس وقت تک ہم سکون کا سانس نہیں لے سکتے"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آپ کا مطلب انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا پارٹی سے ہے"۔

"ہاں نمبر ون... تم ٹھیک سمجھے"۔

"وہ بھی کہاں جائیں گے بچ کر"۔

"ان کی تلاش جاری ہے... بہت جلد ہم ان تک پہنچ جائیں گے... ایک بات اور... ان میں سے اکثر لوگوں نے خوف کی وجہ سے عیسائی ہونے کا اعلان کیا ہو گا... اندر سے وہ ابھی تک مسلمان ہوں گے... لہٰذا ایسے لوگوں کو چن چن کر قتل کرو... تاکہ کسی میں ایسا کرنے کی جرات نہ رہے"۔

"میں صبح سویرے یہ کام شروع کرا دوں گا... آپ فکر نہ کریں"۔

"بالکل ٹھیک... اپنے جاسوس پورے شہر میں پھیلا دو... خاص طور پر ایسے عیسائی پکڑو... جو گھروں میں جا کر یہ ظاہر کریں کہ وہ تو بہت موٹے کے عیسائی بنے ہیں... اندر سے تو وہ مسلمان ہیں... اس طرح ہر گھر کے بارے میں آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہی ہیں... یا سچ مچ عیسائی ہو چکے ہیں"۔

"جی بہت بہتر... میں صبح ہی یہ کام بھی شروع کرا دوں گا"۔

"بالکل ٹھیک... اصلی عیسائیوں کو رات کے وقت ہی اپنے پاس بلا لو... تاکہ صبح سویرے کام شروع کریں... بے دریغ ان لوگوں کا

خون بہاؤ... یہ ایک دم سیدھے ہو جائیں گے... ہمیں سلطان
الدین ایوبی کی فتوحات کا انتقام لینا ہے اب ان سے"۔

"آپ فکر نہ کریں... میں صبح کی بجائے ابھی یہ کام شروع
ہوں"۔

"ٹھیک ہے"۔ اور دوسری طرف سے سیٹ بند کر دیا گیا۔

اب اس نے گرجوں کو باری باری فون کرنا شروع کیا۔
پہلے ہی ہدایات مل چکی تھیں... لہٰذا وہ رات کے وقت ہی گرجوں
پہنچ گئے... پروفیسر المان نے انہیں ہدایات دیں... ہر بات اچھی
سمجھائی... اور صبح ہونے سے پہلے ہی... شہر میں پھیل جانے
کہا۔

دن نکلنے سے پہلے یہ لوگ شہر کے کونے کونے میں گئے
اور جہاں کہیں اذان کی آواز سنائی دی... یا نماز پڑھتے ہوئے
پایا گیا... ان کے گھروں کے نمبر وغیرہ نوٹ کرتے چلے گئے
رپورٹ پروفیسر المان کو دی گئی... اس نے ان لوگوں کی گرفتاری
دے دیا... پولیس ان کے گھروں تک پہنچ گئی... انہیں گرفتار
گیا... دوپہر کے وقت... پروفیسر المان کی طرف سے ہوئے
عجیب تھا... اس نے ان سب کو پھر میدان میں طلب کیا تھا۔

جب سب میدان میں جمع ہو گئے تو... گرفتار شدگان
گیا... یہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے... انہیں زنجیروں سے

تھا... ان لوگوں کو میدان کے درمیان لایا گیا... پھر پروفیسر المان نے
اعلان کیا۔

"آپ لوگ جانتے ہیں... ان لوگوں کو زنجیروں سے باندھ کر
یہاں تک کیوں لایا گیا... نہیں... آپ نہیں جانتے... تو پھر سنیں...
کل آپ سب لوگوں نے بھرے مجمعے میں عیسائیت قبول کر لی تھی...
جنہوں نے قبول نہیں کی تھی ان پر پتھر آ گرا تھا اور وہ اس کے نیچے
دب گئے تھے... خیال تھا کہ ان کا انجام دیکھنے کے بعد اب کسی کے
دماغ میں اسلام کے جراثیم نہیں رہ جائیں گے... لیکن میں نے
سوچا... کچھ پاگل بھی ہوتے ہیں... کہیں ان میں سے کچھ پاگل نہ
ہوں... چنانچہ... جاسوسی کروائی گئی اور ان لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے
پایا گیا... لہٰذا اب ان لوگوں کو کل والی سزا دی جائے گی... یا پھر...
آپ سب مل کر ان پر پتھر برسانا شروع کر دیں... اس میدان میں ایک
طرف بے شمار پتھر پڑے ہیں... انہیں پتھر مارنا شروع کر دو... اگر تم یہ
کام نہیں کرو گے تو پھر آسمان سے پتھر برسیں گے اور تم سب ان کی
لپیٹ میں آ جاؤ گے"۔

"نن... نہیں... نہیں ان چند لوگوں کی وجہ سے ہم سب کیوں
مارے جائیں"۔ لوگ چلائے۔

"پاگل ٹھیک... میں یہی سننا چاہتا تھا... اب پتھر برسانا شروع کر
دو"۔

اور ان بے چاروں پر چاروں طرف سے پتھر برسنے لگے۔۔۔ ان کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔۔۔ اور پھر ان کی چیخیں ست ہوتی چلی گئیں۔۔۔ مجمع ہٹا تو وہاں خون ہی خون تھا۔۔۔ اس منظر کو دیکھ کر بہت سے لوگ خون کے آنسو رو دیے۔۔۔ کچھ ایسے تھے جو خوف کی وجہ سے آنسو بھی نہ بہا سکے۔۔۔ پروفیسر المان اور اس کے ساتھی البتہ اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔۔۔ تالیاں بجاتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔

گورنر ہاؤس میں پہنچ کر پروفیسر نے پھر ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا اور حالیہ کارروائی آکر سنائی۔۔۔ دوسری طرف سے بھی خوشی کا اظہار کیا گیا۔۔۔ لیکن ساتھ ہی کہا گیا۔

"ابھی ان میں ان گنت لوگ ایسے ہیں۔۔۔ جو اسلام کو چھپائے ہوئے ہوں گے۔۔۔ ان کا کھوج لگاتے رہنا اور جو بھی ایسا ملے۔۔۔ اسے فوراً ختم کروا دینا۔۔۔ ورنہ یہ لوگ چنگاریوں کی طرح آگ سلگاتے رہیں گے اور ایک دن پھر سے ہمارے مقابلے پر آجائیں گے"۔

"لیکن کیسے سر۔۔۔ اب اوپر سے برسنے والے پتھر ان لوگوں کو کہاں ادھر ادھر ہونے دیں گے"۔

"ہاں یہ تو ہے۔۔۔ لیکن ہمیں پھر بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے"۔

"آپ فکر نہ کریں۔۔۔ یسوع مسیح کے بارے میں کیا خبر ہے"۔

"وہ آچکے ہیں۔۔۔ اور۔۔۔ یہ ان کی آمد ہی کی وجہ سے مسلمان شہروں پر پتھر برس رہے ہیں۔۔۔ بس یوں سمجھ لو۔۔۔ مسلمانوں کے لیے قیامت کی گھڑیاں شروع ہو چکی ہیں"۔

"یہ سن کے بے پناہ خوشی ہو رہی ہے"۔

"ابھی اور ہو گی۔۔۔ خوشیاں ہی خوشیاں ہیں"۔

"ان دو پارٹیوں کا پتا چلا۔۔۔ جن کے بارے میں آپ سب فکرمند ہیں"۔

"نہیں ابھی نہیں۔۔۔ لیکن بہت جلد سراغ مل جائے گا۔۔۔ فکر کی ضرورت نہیں۔۔۔ اوکے"۔

اور سلسلہ بند ہو گیا۔۔۔ عین اسی وقت ایک کھٹکا ہوا۔۔۔ پروفیسر المان بدک کر مڑا۔۔۔ گورنر ہاؤس کا ایک ملازم کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تم اندر کیوں آئے۔۔۔ میں نے تو نہیں بلایا تھا تمہیں"۔

"جی۔۔۔ گھنٹی تو بجی تھی میرے کمرے میں"۔

"نہیں۔۔۔ میں نے گھنٹی نہیں بجائی۔۔۔ جاؤ۔۔۔ اپنا کام کرو"۔ اس نے چلا کر کہا۔

اور ملازم فوراً باہر نکل گیا۔۔۔ اس کے چہرے پر خوف اور دہشت کے آثار تھے۔۔۔ اس نے اپنے کمرے میں جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور لگا کانپنے۔

"میں بال بال بچا ہوں۔۔۔ اگر کہیں اسے معلوم ہو جاتا کہ میں نے ساری گفتگو سن لی ہے۔۔۔ تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔۔۔ لیکن اب میں کیا کروں۔۔۔ کیسے بتاؤں کہ یہ سب مسلمانوں کے خلاف ایک سازش ہے۔۔۔ یہاں اب کون رہ گیا ہے سننے والا۔۔۔ ارے ہاں میں راتوں رات شہر سے نکل کر تو جا سکتا ہوں۔۔۔ لیکن میں کہاں جاؤں گا۔۔۔ اب تو یہ کام ہر شہر میں شروع ہو جائے گا۔۔۔ اف مالک۔۔۔ اسلام کا محافظ تو ہی ہے۔۔۔ مسلمانوں کی مدد کرنا۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے مسلمانوں پر برا وقت آ چکا ہے۔۔۔ بہرحال اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔۔۔ اپنے دین کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ میں ایک کام تو کر ہی سکتا ہوں۔۔۔ بالکل ٹھیک"۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ اور دبے پاؤں اپنے کوارٹر کے دروازے تک آیا۔۔۔ جھری میں باہر جھانکا۔۔۔ لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔۔۔ اب اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور گورنر ہاؤس کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا۔۔۔ پچھلی طرف بھی ایک دروازہ تھا۔۔۔ اور ہنگامی حالات کے تحت بنایا گیا تھا' لیکن اس طرف ایک دربان بھی ہر وقت موجود رہتا تھا۔۔۔ اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا۔۔۔ پھر بے دھڑک اس طرف چل پڑا۔۔۔ دربان نے اسے آتے دور سے دیکھ لیا۔

"خبردار۔۔۔ کون ہے اس طرف"۔

"میں ہوں۔۔۔ عبداللہ"۔

"اوہ عبداللہ۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ خیر تو ہے"۔

"آقا نے تمہیں بلایا ہے۔۔۔ اتنی دیر کے لیے میں یہاں کھڑا ہوتا ہوں"۔

"اچھا۔۔۔ لیکن۔۔۔ ذرا دھیان سے۔۔۔ آج کل حالات بہت خطرناک ہو چکے ہیں۔۔۔ ویسے عبداللہ مجھے امید نہیں تھی کہ تم بھی اس قدر جلد اپنے مذہب سے پھر جاؤ گے۔۔۔ تم تو مذہب پر بہت مضبوطی سے کاربند تھے۔۔۔ اور دوسروں کو مذہب سکھاتے پھرتے تھے۔۔۔ پھر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے"۔

"اوہ۔۔۔ تت۔۔۔ تو کیا تم ابھی تک اندر سے مسلمان ہو"۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔۔۔ آدھے سے زیادہ شہر نے خوف کی وجہ سے عیسائیت کا اعلان کیا ہے۔۔۔ ورنہ وہ اندر سے مسلمان ہیں"۔

"یہ کیسے مسلمان ہیں۔۔۔ انہیں تو بھرے مجمعے میں اعلان کرنا چاہیے تھا کہ اسلام سے نہیں پھریں گے' چاہے جان کیوں نہ چلی جائے"۔

"ہاں! اس کی حسرت مجھے بھی ہے۔۔۔ اور شوکی برادرز' پروفیسر غالب اور ان کے ساتھ جان دینے والوں پر فخر ہے۔۔۔ کاش! مجھ میں بھی اتنی جرات ہوتی"۔ دربان بولا پھر چونک کر اس نے کہا۔

"اوہ! مجھے تو اندر جانا چاہیے۔۔۔ کہیں وہ حضرت ناراض نہ

ہو جائیں"۔

"ٹھہرو حامد... میں نے جھوٹ کہا تھا"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

اب عبداللہ نے اسے ساری بات سنائی... حامد کی آنکھیں پھٹی گئیں۔

"اف مالک... کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے"۔

"ہماری عقلوں میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ ایسا کیونکر ہو ہے... اور کیونکر ہو سکتا ہے... لیکن ہم کسی خاص آدمی کو یہ سب باتیں بتا سکتے ہیں"۔

"اوہ ہاں! یہ بہت ضروری ہے... پھر تم کسے بتانے کا ارادہ رکھتے ہو"۔

"بس مجھ سے یہ نہ پوچھو اور مجھے نکل جانے دو"۔

"اس بارے میں مجھ سے پوچھ گچھ ہوئی تو میں کیا جواب دوں گا"۔

"تو پھر تم بھی میرے ساتھ چلو... اب یہاں رک کر کیا کرنا"۔

"لیکن... یہاں رہنے کا ایک فائدہ بھی ہے... میں یہاں کی خبریں تو اپنے ساتھیوں تک پہنچا سکوں گا"۔ حامد بولا۔

"بات یہ بھی معقول ہے... خیر... اس کی ترکیب یوں ہے کہ تم یہیں رہو... ایک گھنٹے تک انتظار کرو... ایک گھنٹے میں نہ جانے میں

کہاں کا کہاں نکل جاؤں گا... اس کے بعد تم اندر جانا اور پوچھنا... ہاں سر... کیا حکم ہے... وہ حیران ہو کر کہے گا... کیسا حکم... تو تم بتانا کہ میں تمہارے پاس آیا تھا اور آپ کا پیغام دیا تھا... اس طرح میری تلاش شروع ہو جائے گی اور تم پر کوئی مشکل نہیں آئے گی"۔

"ترکیب زوردار ہے... پسند آئی... میں اس پر عمل کروں گا"۔

"اچھا تو پھر اللہ حافظ"۔ عبداللہ نے کہا۔

"اچھا شکریہ... تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گے"۔ حامد نے کہا۔

"تم اگر کوئی خاص اطلاع دینا چاہو... تو ان نمبروں پر دے سکتے ہو... نمبر نوٹ کر لو... میں نے کافی پہلے اپنی نوٹ بک میں لکھا تھا یہ نمبر"۔

"اوہ اچھا"۔ اس نے جلدی جلدی کاغذ پر نمبر لکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

اس کے جانے کے ایک گھنٹے بعد حامد وہاں سے اندر گیا... اس نے پروفیسر المان کے دروازے پر دستک دی... اندر سے فوراً کہا گیا۔

"کون؟"

"سر یہ میں ہوں... پچھلے دروازے والا دربان"۔

"کیا بات ہے؟"

"سر... وہ عبداللہ آیا تھا میرے پاس... اس نے بتایا تھا کہ آپ یاد فرما رہے ہیں"۔

"کیا کہا... عبداللہ نے یہ کہا تھا... کہ میں تمہیں یاد کر رہا ہوں"۔

"ہاں جناب"۔

"نہیں... اس نے جھوٹ کہا... تم دروازے پر جاؤ اور اسے اندر بھیج دو"۔

"او کے سر!" اس نے کہا اور واپس مڑا... دروازے تک گیا اور واپس لوٹ آیا۔

"سر وہ دروازے پر نہیں ہے... پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"جاؤ... جاؤ اسے دیکھو... جلدی کرو"۔ پروفیسر نے گھبرا کر کہا۔

حامد واپس چلا گیا... اس نے نمائش کے طور ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا... کافی دیر بعد واپس جا کر اس نے کہا۔

"میں ہر طرف تلاش کر چکا ہوں... لیکن سر اس کا کہیں پتا نہیں"۔

"تب وہ فرار ہو گیا... تمہیں دھوکا دے کر... میں اس کی تلاش میں ابھی پولیس کو دوڑاتا ہوں... بچ کر کہاں جائے گا... میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں... اس قدر لمبے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا"۔

"لیکن سر... اسے بھلا فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی"۔

"اسلام کے کچھ جراثیم اس میں باقی رہ گئے ہوں گے"۔

نے ہنس کر کہا پھر فون کی طرف مڑ گیا۔

"مجھے اجازت ہے سر"۔

"ہاں! تم دروازے پر جاؤ"۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔

حامد دل ہی دل میں مسکراتا ہوا دروازے کی طرف جانے کے لیے مڑا۔

"ایک منٹ ٹھہرو"۔ پروفیسر المان نے چونک کر کہا۔

"یس سر"۔

"تم مسکرائے تھے"۔ اس نے کہا۔

"جی نہیں تو... بھلا میں کس بات پر مسکرایا ہوں گا"۔

"میں نے بہت اچھی طرح محسوس کیا ہے کہ تم مسکرائے تھے... ہو سکتا ہے تم دل ہی دل میں مسکرائے ہو... لیکن تم نہیں جانتے... میری آنکھیں کس قدر طاقتور ہیں... یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہیں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے... ارے ہاں... مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا تھا... میں اس پر دل ہی دل میں مسکرایا تھا سر"۔

"بہت خوب! تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا"۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"ادھر آؤ... کیا نام ہے تمہارا"۔

"جی... میں حامد ہوں"۔

"تم پچھلے دروازے پر ڈیوٹی دیتے ہو"۔

"جی ہاں"۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"خوب۔۔۔ ادھر میری طرف دیکھو"۔

اس نے جونہی پروفیسر کی۔۔۔ آنکھوں میں دیکھا' ساکت رہ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی بہت بڑی طاقت اسے پروفیسر کی طرف کھینچ کر لے جا رہی ہو۔۔۔ پھر اسے نیند آنے لگی۔۔۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔۔۔ اس نے پروفیسر کی آواز سنی۔

"تم کھڑے کھڑے سو رہے ہو۔۔۔ تم کھڑے رہو گے۔۔۔ گرو گے نہیں۔۔۔ اور میرے سوالات کے جوابات دو گے۔۔۔ دو گے نا"۔

"جی۔۔۔ دوں گا"۔

"عبداللہ کہاں گیا ہے؟"

"وہ دو گھنٹے پہلے کہیں چلا گیا ہے"۔

"کہاں چلا گیا ہے"۔

"میں نہیں جانتا"۔ اس نے کہا۔

"اس نے بتایا تھا کہ اسلام کی خلاف ایک بہت خوفناک سازش کی گئی ہے۔۔۔ اور مسلمانوں پر برا وقت آنے والا ہے۔۔۔ لہٰذا وہ اس وقت سے پہلے ہی اس شہر سے جانا چاہتا ہے"۔

"اور تم نے اسے جانے دیا۔۔۔ روکا نہیں"۔

"نہیں!" اس کے ہونٹ ہلے۔

"کیوں نہیں روکا۔۔۔ کیا تم بھی ابھی تک اندر سے مسلمان ہو؟"

"ہاں! میں مسلمان ہوں۔۔۔ عیسائی نہیں ہوا"۔

"اس نے جاتے وقت تمہیں کچھ دیا تو نہیں تھا"۔

"صرف ایک فون نمبر"۔

"کیوں۔۔۔ کس لیے"۔

"اگر مجھے کوئی بات معلوم ہو تو اس نمبر پر فون کر سکوں"۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ عبداللہ اس نمبر پر مل سکے گا"۔

"یہ مجھے نہیں معلوم"۔

"وہ نمبر مجھے دو"۔

اس کا ہاتھ مشینی انداز میں جیب میں گیا اور چٹ نکال کر پروفیسر کی طرف بڑھا دی۔۔۔ دوسرے لمحے پروفیسر ایکسچینج کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

○☆○

چال کا علم

انہیں ہوش آیا تو وہ پانچوں اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔ فرش پر سفوف کی تہ نظر آ رہی تھی۔۔۔ لیکن اب وہ خالی سفوف تھا' اس میں رچی گیس اب اپنا اثر دکھا کر رخصت ہو چکی تھی۔۔۔ انہوں نے اوپر دیکھا۔۔۔ وہاں اب پھر وہی کلاشن کوفیس نظر آ رہی تھیں۔

"کیا ہم اتنی دیر بے ہوش رہے ہیں کہ وہی اور آدمی یہ استاد شہر سے لے آیا ہے"۔

"ہاں انسپکٹر صاحب! آپ نے درست اندازہ لگایا"۔ اوپر سے استاد کی شوخ آواز سنائی دی۔

"اور یہ وہی آدمی تم کہاں سے لے آئے"۔

"جس تنخواہ پر باس آدمیوں کو ملازم رکھتا ہے۔۔۔ اس پر تو ایک اشارے سے آدمی مل جاتے ہیں"۔

"لیکن ان کی وفاداریاں پختہ نہیں ہوتیں"۔

"تم انہیں اپنی طرف تبدیل کر کے دکھا دو۔۔۔ مان جاؤں گا۔۔۔ کیونکہ میں بھی انہیں یہاں ہونے والا سارا واقعہ سنا چکا ہوں۔۔۔ وہ

آدمیوں کی لاشوں کو آخر یہی لوگ اٹھا کر جنگل میں پھینک کر آئے ہیں"۔

"ہوں! گویا اب یہاں پر باس کے گیارہ وفادار موجود ہیں"۔

"یہاں تو وفاداروں کی پوری فوج جمع کی جا سکتی ہے۔۔۔ لیکن اس خلا سے کلاشن کوفیس تاننے کا جو آئیڈیا باس نے دیا ہے۔۔۔ وہ لاجواب ہے۔۔۔ تم لوگ بالکل بے بس ہو۔۔۔ کچھ بھی نہیں کر سکتے"۔

"باس آخر ہمیں بے بس کیوں کرنا چاہتا ہے"۔

"یہ باس جانے۔۔۔ ہم ان کی باتیں نہیں سمجھتے۔۔۔ ہم تو صرف حکم کی تعمیل کرنا جانتے ہیں۔۔۔ انہوں نے حکم دیا تھا کہ بیگم جمشید کو اغوا کر لاؤ۔۔۔ ہم اغوا کر لائے۔۔۔ یہاں بھی وہ جو حکم دیتا رہا ہے۔۔۔ ہم تعمیل کرتے رہے ہیں"۔

"اچھا تم اپنا کام کرو۔۔۔ ہم اپنا کام کرنا چاہتے ہیں اب"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اپنا کام۔۔۔ بندھی ہوئی حالت میں تم لوگ بھلا اپنا کون سا کام کرو گے"۔

"ہم ہر حالت میں اپنا کام کرتے رہنے کے عادی ہیں۔۔۔ اور اس وقت ہم اپنا کام یہ کریں گے کہ آپس میں باتیں کریں گے"۔

"ضرور کرو۔۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ لیکن اگر میں چاہوں تو تم باتیں بھی نہ کر سکو"۔

"باتیں بھی نہ کر سکیں.... وہ کیسے؟"

"تمہارے ہونٹوں پر ٹیپ چپکا سکتا ہوں"۔

"تم یہ بھی کر کے دیکھ لو.... ہم پھر بھی باتیں کر سکتے ہیں"۔

"پھر کیسے باتیں کر سکو گے"۔ استاد نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ ہمارا کام ہے.... ہم کیوں بتائیں"۔

"نہیں میں ٹیپ نہیں چپکاؤں گا.... ایک تو اس لیے کہ ایسا کرنے کا حکم باس نے دیا نہیں اور دوسرے اس لیے کہ تمہاری باتیں سن کر ہم بھی ذرا لطف اندوز ہوتے رہیں گے"۔

"ضرور! کیوں نہیں"۔ وہ مسکرائے اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے۔

"بس اب اوپر نہ دیکھو.... گردنیں تھک جائیں گی اوپر دیکھتے دیکھتے.... آپس میں باتیں کرو.... انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو"۔

"شکریہ ابا جان! آپ نے ہمیں گپ شپ لگانے کی اجازت تو دی"۔ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں! یہ اجازت کب دی میں نے"۔ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو کیا باتیں کرنے کی اجازت دی ہے"۔

"کچھ کام کی باتیں"۔ وہ بولے۔

"آپ دیکھ رہے ہیں.... کام کی باتیں ان حالات میں کیسے کی جا

سکتی ہیں"۔

"بھئی بالکل کی جا سکتی ہیں.... فرزانہ تم بتاؤ.... اب ہم کون سی ترکیب اختیار کریں"۔

"ترکیب نمبر ۲۸"۔

"ترکیب نمبر ۳۳ سے ایک دم ۲۸ پر جا پہنچیں.... درمیانی ساری ترکیبیں کہاں چلی گئیں"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ ذرا اور قسم کے موقعوں کے لیے ہیں"۔

"مطلب یہ کہ ہر موقع کے لیے الگ ترکیب ہوتی ہے تمہارے دماغ میں"۔

"دماغ نہ ہوا.... ترکیبوں کا اسٹاک ہو گیا"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں ہو گیا.... تو پھر.... تم چھین لو اس سٹاک کو"۔

"میرے دماغ میں تو اتنی جگہ نہیں"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! اس میں تو بھوسہ بھرا ہوا ہے"۔

"تم نے دیکھا تھا فرزانہ"۔ محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں! اندازہ ہو جاتا ہے نا"۔

"اور میرے دماغ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے"۔

"اس میں ذرا کم بھوسا ہے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"لو محمود.... تمہارے دماغ میں بھی بھوسا بھرا ہوا ہے.... اب تم

کیا کرو گے"۔

"میں فرزانہ کو ننگی کا ناچ نچاؤں گا۔۔۔ اسے اپنے الفاظ واپس لینا پڑیں گے"۔

"بہت دیکھے ہیں۔۔۔ الفاظ واپس کرنے والے۔۔۔ میں نہیں بات کرتی اپنے الفاظ واپس"۔

"اور میں کہتا ہوں۔۔۔ تمہیں الفاظ واپس لینے پڑیں گے"۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

"لڑو نہیں۔۔۔ تم دونوں جتنے جی میں آتا ہے۔۔۔ الفاظ مجھ سے واپس لے لو"۔

"پاگل ہوئے ہو۔۔۔ ہم اور بات کر رہے ہیں"۔

"اوہ! پھر تو ٹھیک ہے"۔ فاروق نے مطمئن ہو کر کہا۔

"کیا ٹھیک ہے"۔

"اگر تم اور بات کر رہے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ کرتے رہو۔ مجھے کیا۔۔۔ مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ تمہیں الفاظ واپس دلواتا پھروں۔۔۔ لینا کسی کا' دینا کسی کا۔۔۔ میں درمیان میں بلا وجہ پھنسا ہوں"۔

"بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا"۔

"دماغ تمہارے چل گیا ہے۔۔۔ بندھے ہوئے ہونے کی صورت

میں بھلا یہ کس طرح چل سکتا ہے"۔ فاروق نے تلملا کر کہا۔

"جس طرح میرا چل سکتا ہے"۔ محمود مسکرایا۔

"اب تم سے کون مغز مارے"۔

"یہاں تم ہی ایسے نظر آتے ہو"۔ فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کیسا نظر آتا ہوں میں؟" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"مغز مارنے کے قابل"۔

"اے زبان سنبھال کر۔۔۔ ورنہ میں یہ کرسی اٹھا کر تم پر دے ماروں گا"۔

"خود تو اٹھ نہیں سکتے۔۔۔ اور کرسی اٹھا کر دے مارو گے۔۔۔ دماغ واقعی چل گیا ہے"۔

"اچھا۔۔۔ یہ بات ہے۔۔۔ تو پھر یہ لو۔۔۔ تم بھی کیا یاد کرو گی"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق کرسی سمیت اٹھا اور اس نے اپنی کرسی فرزانہ کی کرسی پر دے ماری۔۔۔ فرزانہ کی کرسی اپنی جگہ سے کچھ سرک گئی۔۔۔ اسے کافی زوردار دھکا لگا تھا۔۔۔ لیکن وہ الٹی نہیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو۔۔۔ یہاں تو آرام سے بیٹھو۔۔۔ کیا یہاں سے بھی نکلواؤ گے"۔ فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"ارے ہاں! واقعی۔۔۔ بب۔۔۔ باپ رے"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"اگر تم تینوں آرام سے نہ بیٹھے تو تمہیں ایک ایک لگا دوں

گا"۔ انسپکٹر جمشید غرائے۔

"کس طرح لگا دیں۔۔۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں"۔

"اس طرح"۔

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید کرسی سمیت اٹھے اور اپنی کرسی کو محمود کی کرسی سے زور سے ٹکرایا۔۔۔ محمود کی کرسی الٹ گئی۔

"ارے باپ رے۔۔۔ آپ نے تو کرسی کو الٹ ہی دیا۔۔۔ اس قدر زور سے بتانے کی کیا ضرورت تھی"۔

"یہ تم کوئی چال چلنے کی کوشش کر رہے ہو شاید۔۔۔ ہم کرسی سیدھی کرنے نہیں آئیں گے اب خود ہی سیدھے ہوتے رہو"۔ انسپکٹر نے استاد نے کہا۔

"نہیں استاد۔۔۔ آپ زحمت نہ کریں۔۔۔ یہ ہمارا کام ہے۔۔۔ ہم خود کر لیں گے"۔ فاروق نے کہا۔

"کیا کرو گے تم خود"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"محمود کو سیدھا کرنے کا کام"۔

"وہ خود اٹھ جائے گا۔۔۔ تم اپنی فکر کرو"۔

"میری کرسی تو پہلے ہی سیدھی ہے"۔

"اچھا۔۔۔ یہ بات ہے۔۔۔ تو پھر یہ لو"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا اور اپنی کرسی اس سے بھی ٹکرا دی۔۔۔ فاروق کی کرسی بھی الٹ گئی۔

"ارے ارے! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ آپ نے تو مجھے بھی

الٹ دیا ہے۔۔۔ کہیں آپ پر کرسیاں الٹانے کا دورہ تو نہیں پڑ گیا"۔ فرزانہ نے بری طرح گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں! پڑ گیا ہے دورہ۔۔۔ اور اب یہ دورہ رکنے کا نام نہیں لے گا"۔ ان الفاظ کے ساتھ وہ فرزانہ سے ٹکرا گئے۔

"ارے ارے۔۔۔ آپ پر تو واقعی دورہ پڑ گیا ہے۔۔۔ اب کہیں بالکل سے بھی نہ ٹکرا جایئے گا۔۔۔ برا مان جائیں گے"۔

"کک۔۔۔ کیوں۔۔۔ میں۔۔۔ اور برا مان جاؤں گا۔۔۔ نہیں بالکل نہیں"۔

"ویری گڈ خان رحمان۔۔۔ دوست ہو تو تم جیسا۔۔۔ یہ لو پھر دوستی کا مزا"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے اپنی کرسی بھی ان سے ٹکرا دی۔۔۔ وہ بھی الٹ گئے۔۔۔ اب وہ سب سیدھے ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔ اس طرح کرسیاں خوب ہل رہی تھیں"۔

"یہ ناانصافی ہے ابا جان"۔ ایسے میں فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ناانصافی۔۔۔ وہ یہاں کہاں سے آ گئی۔۔۔ اس کی یہ جرات"۔ انسپکٹر جمشید غصے سے لال پیلے ہوتے نظر آئے۔

"ہائیں ہائیں۔۔۔ آپ کا۔۔۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے"۔ بیگم جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

"جملہ کیوں بدلا۔۔۔ یہی کہنے جا رہی تھیں نا کہ کہیں میرا دماغ تو

نہیں چل گیا"۔

"نہیں.... نہیں.... میں یہ جملہ کس طرح کہہ سکتی ہوں"۔

"ہاں تو تم کس ناانصافی کی بات کر رہے تھے.... انصاف کے مجسمے"۔ انسپکٹر جمشید نے بھنا کر کہا۔

"آپ نے باقی سب کو تو الٹا دیا ہے.... امی جان کو پوچھا نہیں"۔

"بھئی ان کی ذرا طبیعت خراب ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"تو کیا ہوا.... کیا خبر کرسی الٹنے سے طبیعت ٹھیک ہو جائے"۔

"کیا کہا.... کرسی الٹنے سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی.... بھئی.... میرا مطلب ہے.... اس طرح طبیعت اور خراب ہو جائے گی ان کی"۔

"چلیے پھر تو ٹھیک ہے"۔ فاروق بولا۔

"کیا ٹھیک ہے؟" محمود نے منہ بنایا۔

"یہ کہ امی جان کو چھوڑ دیا جائے"۔

"لیکن میں کسر ضرور پوری کروں گا.... ان کے حصے کی تمہیں رسید کر دیتا ہوں"۔ وہ بولے۔

"لیکن میں تو پہلے ہی الٹا پڑا ہوں"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا ہوا.... یا تو مزید الٹ جاؤ گے.... یا سیدھے ہو جاؤ گے دونوں صورتوں میں سودا برا نہیں رہے گا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیوں ابا جان.... مزید الٹنے کی صورت میں یہ سودا برا کس طرح نہیں رہے گا"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"یا تم تو بال کی کھال اتارنے لگے"۔

"ان حالات میں اور کچھ ہے بھی تو نہیں بال اتارنے کے لیے"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"بال نہیں کھال"۔ انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں.... اور ایک اور ٹکر اس کو رسید کر دی۔

یہ ٹکر پہلی کی نسبت زیادہ زوردار تھی.... فاروق کا پورا جسم جھنجھنا اٹھا۔

"اف ابا جان! آپ نے تو انجر پنجر ہلا کر رکھ دیے ہیں"۔

"کس کے.... تمہارے یا کرسی کے"۔ فرزانہ ہنسی۔

"دونوں کے"۔ اس نے منہ بنایا۔

عین اسی وقت اوپر ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا.... شاید باس کو ان کی فکر استاد سے زیادہ تھی۔

"یس سر"۔ استاد کی آواز سنائی دی۔

"اب یہ لوگ کیا کر رہے ہیں"۔

"عیش"۔ استاد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

"کیا کہا.... تم ہوش میں تو ہو"۔

"اوہ یس سر.... میں نے مذاق میں یہ بات کہی ہے"۔

"مذاق میں کہنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تم یہ بتاؤ۔۔۔ یہ اس وقت
کیا کر رہے ہیں"۔

"ایک دوسرے سے کرسیاں ٹکرا رہے ہیں"۔

"کیا مطلب؟" دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

"جی۔۔۔ آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں؟"

"یہ کیا کر رہے ہیں؟" دوسری طرف سے سرسراتی آواز میں
گیا۔

"کرسیاں ٹکرا رہے ہیں"۔

"بے وقوف۔۔۔ گدھے۔۔۔ الو"۔

"آپ نے ان کی بالکل درست تعریف کی سر"۔ استاد نے خو
ہو کر کہا۔

"جاہل! میں یہ انہیں نہیں۔۔۔ تمہیں کہہ رہا ہوں"۔

"جج۔۔۔ جی۔۔۔ مجھے۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"انہیں ایسا کرنے کی اجازت کیوں دی۔۔۔ یہ لوگ کرسیو
چولیں ہلا ہلا کر رسیاں ڈھیلی کر رہے ہیں۔۔۔ ان کی چالاکیوں کو
آسان کام نہیں۔۔۔ دوسروں کو الو بنانا ان کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے
"لیکن باس۔۔۔ یہ کرسیاں ہلا ہلا کر رسیاں ڈھیل کر کے بھی
لیں گے۔۔۔ یہ ہر صورت میں ہماری کلاشن کوفوں کی زد میں ہیں"۔

"تم احمق ہو۔۔۔ جو میں کہتا ہو۔۔۔ وہی کرو۔۔۔ ان کرسیوں

آپس میں بندھوا دو۔۔۔ تاکہ یہ کرسیوں کو ہلا جلا نہ سکیں"۔

"او کے باس۔۔۔ میں ابھی یہ کام کرا دیتا ہوں"۔

"لیکن اس سے پہلے یہ اطمینان ضرور کر لینا کہ اب تک انہوں
نے رسیاں کھول تو نہیں لیں"۔

"جی بہتر! ہم بدستور انہیں دیکھ رہے ہیں"۔

"مزید اطمینان کر لینا۔۔۔ کرسیاں ایسے ہی نہ باندھ دینا"۔

"معلوم ہوتا ہے۔۔۔ باس صاحب ہم سے بہت خوف زدہ ہیں"۔
انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"آپ نے سنا باس۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے کیا کہا ہے۔۔۔ کیوں نہ ان
سب کو ختم کر دیا جائے"۔

"نہیں! میں سن چکا ہوں۔۔۔ انہیں مار کر مزا ہی کیا آئے گا۔۔۔
ان لوگوں نے بڑے بڑوں کے منصوبے خاک میں ملائے ہیں۔۔۔ ابقال
ان کے مقابلے میں پہلی بار آیا ہے۔۔۔ ان کی بے بسی اور بے چارگی کی
نمائش تو ابھی پوری دنیا کو دکھائی جائے گی۔۔۔ اس ملک کے صدر اور
دوسرے بے شمار لوگوں کو ان پر بہت فخر ہے۔۔۔ اس فخر کو ملیامیٹ کیا
جائے گا"۔

"آپ کی آپ جانیں۔۔۔ میں ان کی کرسیوں کو بھی ابھی بندھوا
دیتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے"۔ اور سیٹ بند کر دیا گیا۔

"پانچ آدمی رسیاں لے کر نیچے جائیں.... پہلے ان کے ہاتھوں اور پیروں کی رسیاں چیک کریں.... پھر کرسیوں کو آپس میں مضبوطی سے باندھ دیں.... خیال رہے.... یہ ہم لوگوں کی زد میں ہیں.... کہیں تم لوگوں کو اوٹ نہ بنا لیں"۔

اور پھر پانچ آدمی اس ہال میں داخل ہوئے.... وہ پہلے ہی رک چکے تھے.... جب تک ان کی چال دشمن کو معلوم نہیں تھی.... وہ کوشش کر رہے تھے.... چال کا علم ہو جانے کے بعد انہیں اب کرسیاں آپس میں ٹکرانے کی کیا ضرورت تھی.... اندر آنے والوں نے پہلے ان کی کرسیاں چیک کیں.... ان میں سے ایک نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"استاد! رسیاں کافی حد تک ڈھیلی ہو چکی ہیں"۔

"اوہ!" استاد دھک سے رہ گیا۔

"اس کا مطلب ہے.... اگر.... باس ہمیں ہوشیار نہ کر دیتے تو اپنے ہاتھ پیر کھولنے میں کامیاب ہو چکے تھے"۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے"۔ ایک بولا۔

"باس کی ذہانت کو بھی داد دینا پڑتی ہے"۔

"تو دے دیں استاد.... روکا کس نے ہے"۔ ایک نے ہنس کر کہا۔

"اب انہیں اس قدر مضبوطی سے باندھو کہ یہ ہل بھی

سکیں"۔

"آپ فکر نہ کریں"۔

اور پھر انہیں بہت کس کر باندھا گیا.... انہیں رسیاں اپنے گوشت میں دھنستی محسوس ہوئیں.... خاص طور پر بیگم جمشید کا برا حال تھا.... لیکن انہوں نے اپنی تکلیف محسوس نہ ہونے دی.... یہ اور بات ہے کہ اپنی اس کوشش میں وہ انسپکٹر جمشید کی حد تک کامیاب نہ ہو سکیں.... انہوں نے پھر بھی ان کی تکلیف محسوس کر لی۔

"دیکھو بھئی.... یہ خاتون ہیں.... ان کے ہاتھ پیر اس قدر سختی سے نہ باندھو.... ورنہ میں بھی اپنی باری میں تم سے کوئی نرمی نہیں کروں گا"۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو ابھی تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ یہاں سے نجات حاصل کر لو گے"۔

"ہاں! اس بات کا تو خیر ہمیں سو فیصد یقین ہے.... ہم لوگ بے موت سے نہیں مریں گے انشاء اللہ.... تم لوگ ہمیں جان سے تو مار نہیں سکو گے.... اس لیے کہ تمہارے باس کی ہدایت بھی یہی ہے کہ ہمیں زندہ رکھنا ہے.... لہٰذا ہمیں کوئی نہ کوئی موقع تو ضرور ملے گا.... جب ہم تمہاری قید سے چھوٹ جائیں گے.... اس وقت ہم لوگوں کی نرمی تمہارے بہت کام آئے گی"۔

"تم بے فکر ہو جاؤ.... اب تم چھوٹ نہیں سکو گے"۔

"تم لوگ احمق ہو.... ہمیں نہیں جانتے.... ہاں تمہارا باس ہمیں
بہت زیادہ اچھی طرح جانتا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"ہم تم لوگوں سے کوئی نرمی باس کی ہدایات پر ہی تو نہیں کر
رہے"۔ وہ ہنسا۔

"آپ میرے لیے ان سے نرمی کی بھیک نہ مانگیں، مجھے یہ اچھا
نہیں لگتا"۔ ایسے میں بیگم جمشید بولیں۔

"میں تمہارے لیے نرمی کی بھیک نہیں مانگ رہا ہوں بیگم.... ا
پر رحم کھا رہا ہوں.... برا وقت ان پر آنے والا ہے"۔

"واہ.... کیا بات کہی ہے.... معلوم ہوتا ہے.... انسپکٹر جمشید
دماغ الٹ گیا ہے.... تم سن رہے ہو میرے بھائی"۔ اس نے منہ لو
کے کہا۔

"کیا کہا.... بھائی؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہاں کیوں.... کیا ہوا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا اوپر چھت پر ان پانچ میں کوئی تمہارا بھائی بھی ہے"۔

"ہاں ہے.... پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"اس سے کیا ہوتا ہے.... یہ میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کرسی سمیت اٹھے اور ا
جا پڑے.... وہ کرسی کے نیچے دب گیا.... ساتھ ہی اس کے منہ سے
بھی نکل گئی۔

"کیا ہوا بھائی؟" اوپر سے چیخ کر کہا گیا۔

"کچھ نہیں.... بس ذرا میں نے تمہارے بھائی کو اپنے نیچے دبا لیا
ہے"۔

"انسپکٹر جمشید کی کرسی کو اس کے بھائی کے اوپر سے اٹھاؤ....
جلدی کرو.... کہیں اس کے جسم کو کوئی حصہ ٹوٹ نہ جائے"۔ استاد نے
چلا کر کہا۔

"ہاں اٹھاؤ.... شاباش.... اگر تم مل کر بھی کرسی کو اٹھا سکے تو یہ
تمہیں انعام بھی دیں گے"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیوں.... کیا ہم انہیں نہیں اٹھا سکیں گے.... دیکھ نہیں
رہے.... ہم چار ہیں"۔

"دیکھ ہی تو رہے ہیں"۔ اس نے کہا۔

"تو اب کرسی کو اٹھتے بھی دیکھو"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی چار کے چار انسپکٹر جمشید کو کرسی سمیت
اٹھانے کے لیے جھکے.... انسپکٹر جمشید اگرچہ بندھے ہوئے تھے.... لیکن
پھر بھی وہ اپنے جسم کو ایسی حالت میں لے آئے کہ انہیں اٹھانا آسان
کام نہ رہا.... وہ چاروں جھکے کے جھکے رہ گئے.... انہوں نے اپنا پورا زور
لگا لیا.... لیکن کرسی کو نہ اٹھا سکے۔

"کیا ہو گیا بھئی.... اٹھاتے کیوں نہیں"۔ اوپر سے اس کا بھائی
چلایا۔

"ہم سے نہیں اٹھ رہے"۔

"ٹھہرو... میں بھی آتا ہوں... بلکہ تم بھی میرے ساتھ آؤ... اگر میرا بھائی مارا گیا تو میں ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

اور پھر ان پانچوں نے بھی نیچے کا رخ کیا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو... ہمیں اوپر رہنا چاہیے"۔ استاد چلایا۔

لیکن استاد کی اب کسی نے نہ سنی... وہ سب کے سب نیچے کی طرف دوڑ پڑے تھے... استاد تلملا کر رہ گیا... ادھر نیچے پہنچ کر انہوں نے کرسی کو اٹھانے کے لیے زور لگانا شروع کیا... پھر جونہی کرسی سیدھی ہوئی... کلاشن کوف کا فائر ہوا۔

اور ایک تیز چیخ گونجی۔

○☆○

کیسی بے ہوشی

آواز نیچے غار میں سے آئی تھی... اور بہت خوفناک تھی... یوں لگتا تھا جیسے بے شمار روحیں مل کر چیختی ہوں... ان کے دل دہل گئے... رنگ سفید ہو گئے... انسپکٹر کامران مرزا کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کامران مرزا! یہ تو ایسا لگتا ہے... جیسے اندر موجود مردوں کی روحیں چیختی ہوں"۔ منور علی خان نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"پتا نہیں نیچے کیا ہے... اب اس سوراخ کو بڑا کرنا پڑے گا"۔ وہ بولے۔

"اب انہوں نے سوراخ کو بڑا کرنا شروع کیا... یہ کام انہوں نے تلواروں کی نوکوں سے لیا... سوراخ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا رہا... اگرچہ اس کے بڑا ہونے کی رفتار بہت کم تھی۔

دو گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد آخر سوراخ کافی بڑا ہو گیا۔

"اب میں اتروں گا... گیس پائپ پہلے ہی منہ سے لگا لیتا ہوں... اور ٹارچ میرے پاس ہو گی... اگر نیچے کوئی خطرہ ہوا تو میں فوراً اشارہ کر دوں گا... مجھے اوپر اٹھا لینا۔

"ٹھیک ہے.... خطرہ نہ ہوا تو ہم بھی نیچے آ جائیں گے"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"لیکن اس حساب سے کہ اوپر واپس بھی جا سکیں.... یعنی کم از کم ہم میں سے ایک اوپر ہی رہے"۔

"ٹھیک ہے.... میں اوپر رہوں گا"۔ منور علی خان بولے۔

اب انسپکٹر کامران مرزا رسی کے ذریعے نیچے اترے.... پھر انہوں نے آواز دی۔

"تم لوگ نیچے آ سکتے ہو.... یہاں اب سانس لیا جا سکتا ہے"۔

آفتاب، آصف اور فرحت بھی نیچے آ گئے.... ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے دیکھا.... وہاں سترہ تابوت موجود تھے۔

"سترہ تابوت"۔ انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"کیوں ابا جان.... کیا سترہ میں کوئی خاص بات ہے"۔

"ہاں! یہ ایک خاص ہندسہ ہے"۔ وہ بولے۔

"آخر کیا؟"

"پھر بتاؤں گا.... پہلے ہم ان تابوتوں کو کھول کر دیکھ لیں.... ویسے ان تابوتوں کو ذرا غور سے دیکھ لو.... یہ بہت پرانے ہیں نا"۔

"جی ہاں.... ان کی لکڑی کافی بوسیدہ ہو چکی ہے"۔

"شاید یہ بھی دو تین ہزار سال پہلے کے ہیں"۔

"اللہ اپنا رحم کرے.... کیا اس غار میں ہر چیز دو تین ہزار سال

پرانی ہے.... اب تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے.... جیسے خود ہم بھی دو تین ہزار سال پرانے ہوں"۔ آفتاب نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو.... میں ایک تابوت کا ڈھکنا اٹھا رہا ہوں"۔

"لیکن اٹھائیں گے کیسے.... ان میں تو کیلیں جڑی ہیں"۔ فرحت بولی۔

"منور علی خان.... بھئی ایک تلوار تو نیچے پھینک دو"۔

"اچھا"۔ اوپر سے آواز آئی.... پھر ایک تلوار نیچے آ گری.... انسپکٹر کامران مرزا نے تابوتوں کی کیلیں اکھاڑنا شروع کیں۔

"مم.... مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔

"بھئی زیادہ سے زیادہ ان میں مردے ہوں گے.... مردوں سے کیا ڈرنا.... مردے بھی بھلا کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں"۔

"پتا نہیں.... ہم نے مردوں کے متعلق ایسی معلومات حاصل نہیں کیں"۔ آصف نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"اب جب بھی فرصت ملے.... حاصل کر لینا.... کسی بھی قسم کی معلومات حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

تابوت کی ایک ایک کیل اکھڑ رہی تھی.... اور اس کے ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے.... کامران مرزا.... ہمیں تابوت کو نہیں کھولنا چاہیے"۔ اوپر سے منور علی خان نے بھی پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن کیوں منور علی خان؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"پتہ نہیں کیوں.... میں آج زندگی میں پہلی بار خوف محسوس کر رہا ہوں.... اور کامران مرزا.... یہ بات تم سن لو.... میرا خوف بلاوجہ نہیں ہو سکتا.... کیونکہ میری چھٹی حس بہت زیادہ تیز ہے"۔

"کچھ بھی ہو.... میں انہیں کھولے بغیر نہیں رہ سکتا"۔

عین اس وقت ٹارچ کی روشنی مدھم ہونے لگی۔

"اسے بھی ایسے وقت میں ہی جواب دینا تھا.... منور علی خان.... تمہارے بیگ میں بھی تو کوئی ٹارچ ہو گی"۔

"ہاں! ضرور ہے.... کیا میں نیچے پھینک دوں.... یا خود پکڑ کر لائٹ ماروں"۔

"نہیں.... نیچے پھینک دو"۔

انہوں نے ٹارچ نیچے گرا دی.... انسپکٹر کامران مرزا نے وہ لے لی.... عین اس وقت پہلی ٹارچ بالکل بجھ گئی.... تہ خانے میں گھپ اندھیرا ہو گیا.... ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا.... انسپکٹر کامران مرزا نے ٹارچ کو روشن کرنا چاہا.... لیکن وہ روشن نہ ہو سکی۔

"اس کے تو سیل ختم ہیں منور علی خان"۔

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا.... ہمارے پاس تو اور سیل بھی نہیں ہیں۔

کسے معلوم تھا کہ غار کی سیر اس قدر طویل ہو جائے گی.... ہم تو دراصل اس صندوق کو دیکھنے کے لیے غار میں داخل ہوئے تھے.... جس میں سے اڑھائی ہزار سال پرانی کتاب ملی تھی"۔

"اندھیرے میں تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے"۔

"تب پھر اوپر آ جاؤ.... ہم غار سے باہر کا رخ کرتے ہیں.... ٹارچوں میں سیل ڈال کر اور زائد سیل لے کر دوبارہ آئیں گے اور اس تہ خانے کے تابوتوں کو دیکھیں گے"۔

"لیکن.... غار سے باہر جانا بھی تو آسان کام نہیں ہے.... راستے میں سرخ چیونٹیوں سے بھی ملاقات ہو گی"۔

"اوہ! لیکن اب ہم کیا کریں"۔

"ہمت.... ہم اس سوراخ کو اور بڑا کر سکتے ہیں.... اس طرح کسی حد تک روشنی اس میں سے آ سکتی ہے اور ہم تابوت کھول کر دیکھ سکتے ہیں"۔

"تو پھر میں سوراخ بڑا کرنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

"تم اکیلے.... نہیں.... ہم بھی اوپر آتے ہیں.... مل کر بڑا کریں گے"۔

"نہیں.... اس کی ضرورت نہیں.... میں یہ کام کر سکتا ہوں"۔

"اچھا تو پھر ذرا جلدی کرو"۔

منور علی خان سوراخ کو بڑا کرنے لگے.... ادھر ان کے نیچے ہال

میں انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت سترہ تابوتوں کے درمیان کھڑے تھے۔

ایسے میں اچانک غار میں ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی۔

"ارے یہ کیا.... منور علی خان.... یہ نیلی روشنی کیسی ہے"۔

"نیلی روشنی"۔ ان کے منہ سے نکلا اور پھر انہوں نے بھی تہ خانے میں دیکھا.... وہاں واقعی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی.... لیکن یہ نظر نہیں آ رہا تھا.... کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔

"حیرت ہے.... یہ روشنی آخر کہاں سے آ رہی ہے"۔

"ہپ.... پتا نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا ہکلائے۔

"خیر.... یہ بعد میں سوچیں گے.... اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیے.... ایک نظر تابوتوں کو دیکھ لینا چاہیے"۔ منور علی خان بولے۔

انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت ان تابوتوں کی طرف مڑے اور پھر ان کے منہ مارے خوف کے کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں.... تابوتوں کے ڈھکنے خود بخود آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہے تھے.... اور ان میں لگی کیلیں اکھڑ رہی تھیں۔

"یا اللہ رحم.... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں"۔

"مم.... معلوم ہوتا ہے.... تابوتوں میں موجود مردے اب باہر نکلنے والے ہیں.... کیوں نہ اس سے پہلے ہم تہ خانے سے نکل جائیں"۔

"اب ہمارے پاس اتنا وقت نہیں رہا.... ہم میں سے شاید ایک یا دو اوپر پہنچ سکیں گے.... تب یہ ڈھکنے پوری طرح کھل جائیں گے"۔

"لیکن ابا جان! یہ کیسے ہو سکتا ہے.... مردے بھی بھلا حرکت کر سکتے ہیں"۔

"نہیں.... حرکت تو خیر نہیں کر سکتے.... لیکن اب مجھے کیا معلوم کہ یہ کیا چکر ہے"۔

"کہیں ہم خوفناک قسم کے حالات کا شکار تو نہیں ہونے والے"۔

"دیکھا جائے گا"۔

"یہاں تو ہماری مدد کو بھی کوئی نہیں آئے گا"۔

"اللہ تعالیٰ کے لیے ہماری مدد کرنا کیا مشکل ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اوہ ہاں! معاف کیجیے گا.... ابا جان"۔

"اس میں معافی کی کیا بات ہے؟"

ان کی نظریں تابوتوں پر جمی تھیں.... ڈھکنے بہت آہستہ آہستہ کھل رہے تھے.... اور ساتھ ہی کیلیں اکھڑ رہی تھیں.... جس تابوت کی کیلیں انہوں نے اکھاڑنا شروع کی تھیں.... وہ بھی باقی تابوتوں کی رفتار سے ہی کھل رہا تھا۔

"یہ سب کے سب مردے ایک ساتھ اٹھیں گے"۔ یہ دیکھ کر

انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی... کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ان کے اٹھنے کا ایک وقت مقرر ہے"۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... کس نے مقرر کیا ہے... ان کے اٹھنے کا وقت"۔

"میں نہیں جانتا... البتہ میں معلوم ضرور کر کے رہوں گا"۔

"تت... تو کیا آپ مردوں سے معلوم کریں گے"۔

"نہیں... جس سے بھی معلوم ہو سکا"۔ وہ بولے۔

ڈھکنے اب قریباً دو انچ اوپر اٹھ چکے تھے... آفتاب لے ہونے والی جھری سے اندر جھانکنا چاہا... لیکن نیلی روشنی بہت تھی... اور تابوتوں کے اندر اب تک اندھیرے تھا۔

"اور انتظار کرنا پڑے گا... میرا خیال ہے... اباجان ہم اوپر سکیں گے... ان کی رفتار بہت کم ہے"۔

"اچھی بات ہے... پہلے اس قدر کم رفتار کا اندازہ نہیں تو باری باری اوپر چڑھ چلو... میں سب سے بعد میں آؤں گا"۔

"انکل... ہم اوپر آ رہے ہیں"۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں"۔ وہ بولے۔

آصف نے رسی پکڑی اور اوپر اٹھنے لگا... یہاں تک کہ خانے کے سوراخ تک پہنچ گیا... اب اس نے نیچے دیکھا... فرحت

رسی کو پکڑے کھڑی تھی... اسے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی... کہ ڈھکنے اب بہت زیادہ اوپر اٹھے نظر آ رہے تھے... وہ وہیں رک گیا اور بولا۔

"یہ کیا... ڈھکنے تو اب قریب قریب بالکل اوپر اٹھ گئے ہیں"۔

انہوں نے بھی مڑ کر دیکھا... اور حیرت زدہ رہ گئے... انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً نے ایک تابوت میں جھانکا... انہیں ایک زبردست جھٹکا لگا... ان کے منہ سے خوف سے چیخ نکل گئی۔

ان کے منہ سے خوف کی چیخ ان سب کے لیے بہت حیرت کی بات تھی... آصف اوپر جانے کی بجائے فوراً نیچے کی طرف چلا۔

"مم... میں بھی آ رہا ہوں... رسی اوپر ایک پتھر کے ساتھ میں نے مضبوطی سے باندھ دی ہے... اب اوپر رہنے کی ضرورت نہیں رہی"۔

"ٹھیک ہے... آ جائیں"۔ آصف بولا۔

وہ بھی نیچے آ گئے... انہوں نے نیلی روشنی میں دیکھا... انسپکٹر کامران مرزا بت کی مانند لیٹے تھے... ان کی آنکھیں کھلی تھیں... لیکن وہ اپنے ہوش میں نہیں لگتے تھے... اب انہوں نے ڈرتے ڈرتے تابوتوں کی طرف دیکھا... لیکن وہ اس رخ پر تھے کہ اندر نہیں دیکھ سکتے تھے... اندر دیکھنے کے لیے انہیں دوسری طرف جانا پڑتا تھا... انسپکٹر کامران مرزا بھی دوسری طرف آ گئے تھے اور پھر اچھل کر اس

طرف آگرے تھے۔

"مم... مجھے اس طرف جا کر دیکھتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا ہے... پہلے ہم اباجان سے بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں... اباجان... آپ... آپ ہوش میں ہیں یا بے ہوشی کی حالت میں... اگر یہ بے ہوشی ہے تو کیسی... اس لیے کہ آپ کی آنکھیں تو کھلی ہیں"۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ان حالات میں ہم تابوت کے اندر کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ ہم سب کی یہی حالت نہ ہو جائے"۔ آصف نے گھبرا کر کہا۔

"پہلے ہم انہیں ہوش میں لائیں گے... پھر تابوتوں کے اندر دیکھیں گے... یا یہ اجازت نہیں دیں گے تو نہیں دیکھیں گے"۔ منور علی خان بولے۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔

انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دیں... لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور مزے کی بات کہ ان کی آنکھیں برابر کھلی تھیں۔

"شاید انہیں سکتہ ہو گیا ہے... کیونکہ آنکھیں سکتے کی حالت میں بالکل کھلی رہتی ہیں"۔ منور علی خان بولے۔

"اب مسئلہ یہ ہے کہ انہیں ہوش میں کس طرح لائیں"

آفتاب کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

ایسے میں اچانک نیلی روشنی بھی مدھم ہونے لگی... تابوتوں کے ڈھکنے اب مزید اوپر اٹھ چکے تھے اور دوسری طرف الٹنے کے قریب تھے۔

"اباجان! خدا کے لیے ہوش میں آ جائیں... دیکھیے روشنی بھی مدھم ہو چلی ہے... شاید اب یہ بجھنے والی ہے... اگر تہ خانے میں گھپ اندھیرا ہو گیا تو ہمارا یہاں کیا حال ہو گا... آپ کو چھوڑ کر ہم اوپر بھی تو نہیں جا سکیں گے"۔ آفتاب نے جلدی جلدی درد بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں انکل... اٹھیے... ہوش میں آیئے"۔ فرحت کی آواز ابھری۔

روشنی اور مدھم ہو گئی... اب وہ ایک دوسرے کو دھندلے دھندلے نظر آنے لگے... وہ اور گھبرا گئے... اور پھر دو باتیں ایک ساتھ ہوئیں... پہلے نیلی روشنی بالکل غائب ہوئی... پھر تابوتوں کے ڈھکنے دوسری طرف گرنے کی آوازیں سنائی دیں... وہ مارے خوف کے کانپنے لگے... انہوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور زمین پر انسپکٹر کامران مرزا کے چاروں طرف بیٹھ گئے... تاکہ وہ محفوظ رہیں۔

"یا اللہ رحم"۔ منور علی خان کی آواز سنائی دی۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"اب ہم کچھ بھی دیکھنے کے قابل نہیں رہے۔۔۔ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ کیا ہو رہا ہے"۔

اچانک انہیں غار میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کون چل رہا ہے۔۔۔ ہم سب تو ایک دوسرے کو پکڑے بیٹھے ہیں"۔

"مم۔۔۔ مردوں کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔۔۔ تابوتوں سے نکلنے والے مردے چل رہے ہوں گے"۔

"آج ہم کہاں پھنس گئے۔۔۔ میری توبہ۔۔۔ جو آئندہ ایسے کسی غار میں اتروں"۔ آفتاب کی آواز سنائی دی۔

"بھئی خاموش رہو"۔ منور علی خان بولے۔

اچانک ایک بار پھر نیلی روشنی غار میں پھیلنے لگی۔۔۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے کے قابل ہونے لگے۔

"اے پیاری پیاری۔۔۔ نیلی روشنی تیرا شکریہ"۔ آصف خوش ہو کر کہا۔

انہوں نے جلدی سے انسپکٹر کامران کی طرف دیکھا۔۔۔ اب ان کی آنکھیں بند تھیں۔

"اب شاید انہیں ہوش میں لایا جا سکتا ہے"۔

"کامران مرزا۔۔۔ ہوش میں آؤ۔۔۔ یہ وقت بے ہوشی کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے"۔ منور علی خان بولے۔

انہیں اس حالت میں بھی ہنسی آ گئی۔۔۔ لیکن پھر فوراً ان کی ہنسی کا گلا گھٹ گیا۔۔۔ ان کی نظریں تابوتوں پر پڑیں۔۔۔ ان کے ڈھکنے الٹے پڑے تھے۔۔۔ اور وہ اندر سے بالکل خالی تھے۔۔۔ پہلی بار انہوں نے یہ بات بھی محسوس کی۔۔۔ کہ تابوت بہت زیادہ لمبے تھے۔۔۔ گویا ان میں لائے گئے مردے بہت لمبے تھے۔

عین اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا نے آنکھیں کھول دیں۔

"مم۔۔۔ میں کہاں ہوں"۔

"آپ ابھی تہ خانے میں ہی ہیں"۔

"تہ خانہ۔۔۔ اور وہ۔۔۔ وہ تابوت۔۔۔ تابوتوں کے مردے"۔

"تو ان میں مردے تھے"۔ آصف بولا۔

"ہاں بالکل۔۔۔ لیکن آج کے نہیں۔۔۔ دو تین ہزار سال پہلے کے مردے"۔

"جی۔۔۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں"۔

"تو تم۔۔۔ خود دیکھ لو نا۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ تم نہ دیکھنا۔۔۔ ورنہ تم بے ہوش ہو جاؤ گے۔۔۔ نہ جانے کیوں۔۔۔ بہت زوردار جھٹکا لگا تھا مجھے۔۔۔ کم از کم میں خوف کی وجہ سے اس قدر زور سے نہیں اچھل سکتا تھا"۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"جونہی میں نے تابوت میں دیکھا۔۔۔ میری نظر ایک بہت لمبے قد والے مردے پر پڑی۔۔۔ لیکن وہ مردہ نہیں تھا"۔

"جی.... کیا مطلب.... وہ مردہ نہیں تھا"۔

"ہاں! اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور چہرے پر ایک بھیانک مسکراہٹ تھی.... ساتھ ہی مجھے وہ جھٹکا لگا.... بالکل بجلی کے جھٹکے کی مانند تھا.... جسم میں سرد جلن دوڑتی محسوس ہوئی تھی.... اور اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا.... لہٰذا تم تابوتوں کی طرف نہ دیکھنا"۔

"اب دیکھ کر کریں گے بھی کیا.... چڑیاں اڑ چکی ہیں"۔ آصف نے منہ بنایا۔

"کیا کہا.... چڑیاں اڑ چکی ہیں.... یہ تم کیا کہہ رہے ہو"۔

"جی ہاں! ان تابوتوں میں اب کوئی مردہ نہیں ہے.... آپ کے بے ہوش ہونے کے بعد نیلی روشنی تھوڑی دیر کے لیے گل ہو گئی تھی.... اس دوران مردے فرار ہو گئے"۔

"مم.... مردے فرار ہو گئے"۔ آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"نہیں!" انسپکٹر کامران مرزا ایک جھٹکے سے اٹھے.... انہوں نے تابوتوں کی طرف دیکھا.... وہ سب خالی تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر روشنی غائب ہو گئی۔

○☆○

اس کا نام

ہیلو.... ایکسچینج.... پروفیسر المان بات کر رہا ہوں.... یہ نمبر بتائیں.... کس کے ہیں.... اور فوراً"۔ اس نے سخت لہجے میں کہا.... اور نمبر بتائے۔

"اوکے سر.... ایک منٹ انتظار فرمائیں"۔

"ایک منٹ تو بہت زیادہ ہے"۔

"نمبر اگر مقامی ہو تو ذرا بھی دیر نہیں لگتی.... لیکن دوسرے کسی شہر کا ہو تو کچھ وقت لگ جاتا ہے"۔

"اچھا خیر.... جلدی کرو"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"سر! یہ نمبر انسپکٹر جمشید کے ہیں"۔

"اوہ!" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا.... اب اس نے ڈی آئی جی کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو مسٹر ڈی آئی جی.... گورنر ہاؤس کا ایک ملازم عبداللہ یہاں سے فرار ہو کر دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا ہے.... وہ انسپکٹر جمشید کے گھر تک جانا چاہتا ہے.... اسے جلد از جلد گرفتار کر کے میرے

سامنے لایا جائے۔۔۔ اس سے کم کسی بات کو میں قبول نہیں کروں گا اور
اسے پیش نہ کیا جا سکا۔۔۔ تو آپ کو اس کی جگہ جیل جانا ہو گا"۔

"یس سر۔۔۔ میں ضرور اسے گرفتار کر لوں گا۔۔۔ آپ فکر
کریں"۔ ڈی آئی جی صاحب بولے۔

ریسیور رکھ کر انہوں نے فوراً گھنٹی بجائی اور پھر اپنے ماتحتوں کو
ہدایات دینی شروع کیں۔۔۔ جلدی ہی وہ ایک پولیس گاڑی پر اڑے
رہے تھے۔

"عبداللہ کس راستے سے جائے گا۔۔۔ انسپکٹر کاشان؟"

"سڑک کے راستے ہی جائے گا سر۔۔۔ جہاز اور ٹرین کے راستے
تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

"بہت خوب۔۔۔ تم نے عبداللہ کو دیکھا ہوا ہے"۔

"جی بالکل۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔ میں تو اسے دور سے
پہچان سکتا ہوں"۔

"تب ہم اسے پکڑ لیں گے"۔

"لیکن اس شخص کو سوجھی کیا۔۔۔ انسپکٹر جمشید کی طرف
لگانے کی"۔

"پتا نہیں سر۔۔۔ مجھے تو رہ رہ کر شوکی برادرز یاد آ رہے ہیں
سر۔۔۔ صبح سے نہ جانے کتنی بار رو چکا ہوں"۔

"اور ان کے ساتھ پروفیسر غالب بھی تھے"۔ ڈی آئی

پڑ گئے۔

وہ آگے بڑھتے رہے۔۔۔ ہر چیک پوسٹ سے رپورٹ لیتے
رہے۔۔۔ لیکن عبداللہ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔۔۔ اگرچہ انہوں نے آگے
تک ہدایات دے دی تھیں۔۔۔ لیکن اس حلیے کے کسی آدمی کو نہ روکا
جا سکا۔

"یہ عبداللہ تو ضرورت سے زیادہ چالاک ثابت ہوا"۔

"جی! ہم دارالحکومت ہی نہ پہنچ جائیں چلتے چلتے"۔

"اس سے تو بہتر تھا۔۔۔ ہم جہاز کے ذریعے دارالحکومت کو جاتے
اور انسپکٹر جمشید کے گھر جا پہنچتے۔۔۔ جانا تو آخر اسے وہیں تھا"۔

"چلئے خیر۔۔۔ اب تو ہم اس طرح بھی دارالحکومت پہنچنے والے
ہیں"۔

آخر وہ شہر میں داخل ہو گئے۔۔۔ ایک پولیس اسٹیشن سے انہوں
نے انسپکٹر جمشید کے گھر کا راستہ پوچھا۔۔۔ آدھ گھنٹے بعد وہ گھر کے سامنے
موجود تھے۔۔۔ لیکن وہاں تالا لگا ہوا تھا۔۔۔ آئی جی صاحب نے بیگم
شیرازی کے دروازے پر دستک دی۔۔۔ ان سے اپنا تعارف کروانے کے
بعد وہ بولے۔

"ان لوگوں کا کچھ پتا ہے"۔

"جی نہیں۔۔۔ یہ تو اس طرح غائب ہیں جیسے گدھے کے سر سے
سینگ"۔

"تالے کی چابی"۔

"وہ میرے پاس ہے۔۔۔ دروازے پر تالا میں نے ہی لگایا تھا۔ وہ تو کھلا چھوڑ کر چلتے بنے تھے"۔

"کیا مطلب؟"

"دراصل پہلے بیگم جمشید کو اغوا کیا گیا۔۔۔ باقی لوگ جب گھر پہنچے تو انہیں غائب پا کر باہر کی طرف دوڑ پڑے۔۔۔ ایسے میں دروازے کو تالا لگانے کا ہوش کس طرح رہ سکتا تھا۔۔۔ اور اس روز سے لوٹ کر نہیں آئے۔۔۔ تین دن ہو چکے ہیں"۔

"اوہ! آپ مہربانی فرما کر تالا کھول دیں۔۔۔ میں اندر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں"۔

"ضرور! کیوں نہیں"۔

انہوں نے تالا کھول دیا۔۔۔ اور یہ کہتے ہوئے اپنے گھر کی طرف بڑھیں۔

"میں چائے وائے تیار کر کے لاتی ہوں"۔

"نہیں نہیں۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں"۔

"آپ لمبا سفر کر کے آ رہے ہیں۔۔۔ میرے خیال میں تو ضرورت ہے"۔

"اچھا خیر۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ یہ تو بتائیں۔۔۔ عبداللہ نامی کوئی آدمی انسپکٹر جمشید کو پوچھتا ادھر نہیں آیا"۔

"جی نہیں تو۔۔۔ میرے گھر کا دروازہ تو کسی نے نہیں کھٹکھٹایا"۔

"خیر۔۔۔ آپ جائیں"۔

وہ چلی گئیں۔۔۔ آئی جی صاحب، انسپکٹر کاشان کے ساتھ صحن میں ہی بیٹھ گئے۔۔۔ پھر بیگم شیرازی چائے اور کھانے کے لیے دوسری چیزیں بھی ان کے سامنے رکھ کر چلی گئیں۔۔۔ وہ کھانے لگے۔۔۔ ایسے میں دروازے کی گھنٹی بجی۔

"یہ ضرور عبداللہ ہو گا۔۔۔ کاشان تم نہ جاؤ۔۔۔ شاید وہ تمہیں پہچانتا ہو۔۔۔ ایک کانسٹیبل کو بھیج دو، اسے اندر لے آئے"۔

"او کے سر"۔ اس نے کہا۔

کانسٹیبل گیا اور ملاقاتی کو اندر لے آیا۔۔۔ اس نے کئی پولیس آفیسرز کو اپنے سامنے دیکھ کر حیرت زدہ انداز سے پلکیں جھپکائیں۔

"آیئے۔۔۔ تشریف لایئے"

"آپ۔۔۔ آپ میں تو انسپکٹر جمشید صاحب کوئی بھی نہیں ہیں"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! وہ ایک کیس کے سلسلے میں باہر گئے ہیں۔۔۔ آپ مجھے بتا دیں۔۔۔ کیا بات ہے"۔

"نہیں! میں ان کے سوا کسی کو نہیں بتاؤں گا"۔

"ان کے جلد آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔۔۔ آپ کے پاس بھی زیادہ وقت نہیں ہے، لہٰذا آپ جلد از جلد ہمیں بتا دیں"۔ آئی جی

صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔

"جی کیا مطلب۔۔۔ میرے پاس بھی زیادہ وقت نہیں ہے"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"مہربانی فرما کر اس کی وضاحت کر دیں"۔

"آپ کا نام عبداللہ ہے نا"۔

"اور آپ شمالی شہر سے چلے آ رہے ہیں۔۔۔ وہاں کے گورنر ہاؤس میں آپ ملازم ہیں"۔

"جی ہاں! لیکن آپ کو کیسے معلوم"۔

"اور وہاں اس وقت پروفیسر المان کی حکومت قائم ہو چکی ہے"۔

"بالکل! آپ کون ہیں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ فوراً بتا دیں۔۔۔ وقت بہت کم ہے"۔

"نہیں! میں انسپکٹر جمشید صاحب کو بتا سکتا ہوں"۔

"میں تمہارے شہر کا ڈی آئی جی ہوں۔۔۔ یہ میرے ساتھ انسپکٹر کاشان ہیں۔۔۔ ہمیں پروفیسر المان نے حکم دیا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے اس کے سامنے پہنچا دیں۔۔۔ ہم وہاں سے سیدھے ادھر آ رہے ہیں"۔

"لیکن اسے کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں یہاں کے لیے روانہ

ہوں ہوں"۔

"یہ ہمیں نہیں معلوم"۔

"تب ضرور حامد سے اگلوایا ہو گا اس نے"۔ اس نے زرد پڑتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر کاشان شوکی برادرز کے دوست ہیں۔۔۔ انسپکٹر جمشید سے اس وقت تمہاری ملاقات نہیں ہو سکتی۔۔۔ ان کے بارے میں ہم خود نہیں جانتے۔۔۔ کہاں ہیں۔۔۔ ہم تمہیں گرفتار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔۔۔ ہم تو یہاں تمہاری مدد کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔۔۔ یقین نہیں ہے تو انسپکٹر کاشان سے پوچھ لو"۔

اس نے انسپکٹر کاشان کی طرف دیکھا۔

"اب مجھے کیا معلوم۔۔۔ کہ آپ لوگ کون کون ہیں۔۔۔ اف میں کیا کروں"۔

"اچھا! ہم ایسا کرتے ہیں کہ یہاں کے آئی جی کو بلا لیتے ہیں۔۔۔ وہ کچھ اور آفیسرز کو ساتھ لے کر یہاں آ جاتے ہیں۔۔۔ ان سب کی موجودگی میں تو تم بتا سکتے ہو یا نہیں"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ایسا کر لیں"۔

"اچھی بات ہے"۔

انہوں نے کہا اور فون کرنا شروع کیا۔۔۔ جلد ہی وہاں کئی آفیسرز آ گئے۔۔۔ ان سب نے جب عبداللہ کو اطمینان دلایا تو وہ انہیں بتانے پر

تیار ہو گیا۔

"پروفیسر المان کسی بڑی اسلام دشمن طاقت کا ایجنٹ ہے۔۔۔ شاید انشارجہ کا۔۔۔ یا بنگال کا۔۔۔ یہ سارا منصوبہ اسلام کے خلاف ہے۔۔۔ لوگ پوری دنیا پر عیسائیت کا بول بالا کرنے پر تلے ہیں۔۔۔ میں نے پروفیسر المان کو ٹرانسمیٹر پر کسی سے ہدایات لیتے اور باتیں کرتے سنا ہے۔۔۔ یہ پتھر برسانے کا چکر بھی پروفیسر المان کا اپنا نہیں۔۔۔ اس بڑی طاقت نے کوئی طریقہ اختیار کیا ہے"۔

"اوہ!!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اب یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روپ میں کسی فرشتے کو آسمان سے نیچے اتار چکے ہیں۔۔۔ اور وہ عیسائیت کا پرچار کرے گا۔ مسلمان ممالک پر پتھر برسائے جائیں گے۔۔۔ جس سے یہ ثابت ہو گا اسلام سچا نہیں، عیسائیت سچا مذہب ہے"۔

"لیکن یہ لوگ پتھر کس طرح برسا سکتے ہیں۔۔۔ پتھر برسا کر بستیوں کی بستیاں تباہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے"۔ ڈی آئی جی بولے۔

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں"۔

"تم وہ الفاظ دہراؤ۔۔۔ جو سنے تھے"۔

"شہر میں ایسے لوگوں کا کھوج لگایا جائے گا جو ابھی تک اسلام پر قائم ہیں اور جنہوں نے جھوٹ موٹ عیسائیت قبول کی ہے۔۔۔ انہیں چن چن کر قتل کیا جائے اور سب لوگوں کے سامنے ایسا کیا جائے کہ

تاکہ کوئی دم نہ مار سکے۔۔۔ یسوع مسیح یعنی عیسیٰ کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ آ چکے ہیں۔۔۔ ان کا ظہور ہو چکا ہے۔۔۔ وہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا پارٹی کے لیے بھی فکرمند ہیں اور ان کی تلاش کر رہے ہیں"۔

"ہوں۔۔۔ اب ہمارا وہاں جانا بے کار ہے۔۔۔ ہم وہاں جا کر کیا کریں گے۔۔۔ پروفیسر المان کے آدمی ہمارے بارے میں بھی سراغ لگا لیں گے"۔

"شوکی بردار پتھر کے نیچے آ کر ہلاک ہو چکے ہیں۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا کا کوئی پتا نہیں۔۔۔ انسپکٹر جمشید کا کوئی پتا نہیں۔۔۔ اب ہمارا ہو گا کیا؟" آئی جی صاحب نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ ڈی آئی جی بولے۔

"سب سے ضروری کام ان پتھروں سے نمٹنا ہے۔۔۔ ارے ہاں! اس سلسلے میں ہم پروفیسر داؤد سے کیوں نہ بات کریں۔۔۔ شاید وہ کچھ کر سکیں"۔

اسی وقت پروفیسر داؤد کو فون کیا گیا۔۔۔ دوسری طرف سے ان کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو پروفیسر صاحب۔۔۔ آئی جی نثار احمد بات کر رہا ہوں"۔

"جی فرمائیے"۔

"پتھروں کی کیا خبر ہے؟"

"وہ ہمارے پورے ملک پر چھائے ہوئے ہیں.... آپ کو انسپکٹر جمشید نے بتایا ہو گا"۔

"نہیں.... ان سے تو ابھی تک ملاقات ہی نہیں ہو سکی"۔

"تو پھر!"

"مشرقی حصے سے یعنی شوکی برادرز کے شہر سے ایک صاحب آئے ہیں.... ان کے ذریعے بہت اہم باتیں معلوم ہوئیں ہیں.... جبکہ انسپکٹر جمشید غائب ہیں"۔

"غائب ہے.... اکیلے یا سب کے ساتھ"۔

"سب کے ساتھ.... خان رحمان بھی ساتھ ہیں"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے.... وہ لوگ تو شوکی کے شہر جانے کی بات کر رہے تھے"۔

"وہاں نہیں پہنچ سکے"۔

"بہت خوفناک خبر ہے یہ تو"۔

"آپ پتھروں کے بارے میں بتائیں"۔

"آپ ایسا کیوں نہیں کرتے.... آئی جی صاحب کو ساتھ لے کر میرے پاس آ جائیں"۔

"اچھی بات ہے"۔

سب لوگ تجربہ گاہ پہنچ گئے.... ایک دوسرے کے حالات سنے گئے.... اب آئی جی صاحب نے کہا۔

"آپ اپنے ملک پر.... بلکہ پوری دنیا کے اسلامی ملکوں پر آئی ہوئی اس آفت کے بارے میں کیا کر سکتے ہیں"۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے.... لیکن شاید اس کے لیے انسپکٹر جمشید کا ہونا بہت ضروری ہے"۔

"آپ پہلے ترکیب بتائیں"۔

"پروفیسر المان کو قابو میں کیا جائے کسی طرح"۔

"اوہ!!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور کوئی طریقہ نہیں ہے"۔ پروفیسر نے کہا۔

"اس کام کے لیے واقعی انسپکٹر کامران مرزا یا انسپکٹر جمشید کا ہونا ضروری ہے"۔

"خیر.... ان کے لیے بھی کوشش کر لیتے ہیں.... اور کچھ"۔

"اگر ہم اس پر قابو پا لیتے ہیں تو شاید بہت کچھ کر سکیں گے"۔

"آپ نے شوکی برادرز کے بارے میں خبر سنی"۔

"نہیں تو.... کیسی خبر"۔

"وہ ہلاک ہو چکے ہیں.... بلکہ کہنا چاہیے کہ شہید ہو چکے ہیں"۔

"کیا.... نہیں"۔ پروفیسر داؤد چلائے۔

انہیں تفصیل سنائی گئی تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے.... باقی سب بھی رونے لگے.... کاشان تو پہلے ہی آنسو بہاتا رہا تھا.... اب

ان کے سامنے پھر اس کی آنکھیں آنسو اگلنے لگیں.... ایسے میں آئی جی بولے۔

"یقین نہیں آ رہا ویسے ان کی موت پر"۔

"آنکھوں دیکھی بات ہے سر"۔ عبداللہ نے کہا۔

"آیئے.... آپ لوگوں کو پتھروں کے جھرمٹ دکھاؤں"۔

وہ انہیں دوربینوں تک لے آئے.... باری باری سب نے پتھروں کے غول کے غول آسمان پر دیکھے۔

"ہمیں تو یہ بالکل ستاروں کی طرح لگ رہے ہیں"۔

"ہاں! لیکن یہ ہیں پتھر.... کئی کئی من وزنی پتھر"۔

"ہوں.... کیا یہ بھی گرائے جا سکتے ہیں"۔

"ہم نے اپنی زندگی میں ایسا ہوتے کبھی نہیں دیکھا.... کہ ان کے شہاب ثاقب جمع ہو کر ایک ملک کی فضا پر آ جائیں.... گویا ان کا.... نام و نشان مٹا دینے کے لیے تلے کھڑے ہیں"۔

"گرائے جا سکتے ہیں یا نہیں"۔

"جو لوگ ان کو ایک ملک کی فضا پر مسلط کر سکتے ہیں.... وہ کیا نہیں کر سکتے"۔

"آپ نے اب تک ان کے سلسلے میں کیا کیا ہے"۔

"کچھ بھی نہیں.... آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں"۔

"ان پتھروں کو اپنے ملک کی فضا پر سے ہٹائیں"۔

"کیا کہا.... میں ہٹا دوں.... لیکن کیسے؟"

"یہ آپ کا کام ہے"۔

"آپ نے ایک نیا آئیڈیا دیا ہے.... اور میرے سب ساتھی مل کر اسی وقت سے اس آئیڈیے پر کام شروع کرتے ہیں.... آپ فکر نہ کریں"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"اور ہم انسپکٹر جمشید کی تلاش میں نکلتے ہیں"۔

"یہ ٹھیک رہے گا.... ان کی موجودگی انتہائی ضروری ہے"۔

"ہم ابھی سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں"۔

"بیگم شیرازی سے ضرور مدد لیں.... وہ کام کی باتیں آپ کو بتا سکتی ہیں"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"اچھی بات ہے"۔

وہ اٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی.... پروفیسر داؤد نے ریسیور اٹھایا تو ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"کیا یہاں آئی جی شیخ نثار احمد صاحب ہیں"۔

"آپ کا فون ہے"۔ پروفیسر صاحب نے کہا۔

انہوں نے ریسیور لے لیا اور کان سے لگاتے ہوئے بولے۔

"آئی جی نثار احمد بات کر رہا ہوں"۔

"آپ لوگ تباہی کے لیے تیار ہو جائیں"۔ ایک آواز گونجی۔

"کیا مطلب"۔

"آپ نے میرے کام میں دخل اندازی شروع کر دی ہے لہٰذا اب اس شہر پر بھی بارش کروں گا۔ جو ساکن آباد کے بنگلے ایک حصہ ہیں.... ہم نے اس کے شہریوں کو اس لیے جمع نہیں کیا تھا عیسائی ہو گئے ہیں"۔

"آپ.... آپ پروفیسر المان ہیں کیا؟"

"وہ کیا چیز ہے.... میرا ایک معمولی سا غلام"۔

"ہائیں.... تو پھر آپ کون ہیں"۔

"مجھے ابطال کہتے ہیں"۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ بولے۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی.... وہ زور سے چونکے۔

○☆○

ہالٹ

چیخ کی آواز کے ساتھ ہی استاد خلا میں سے نیچے چلا آیا.... اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا۔

"اب تم سب ہاتھ اوپر اٹھا دو"۔ انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"تم ان سب کو کھول دو.... جلدی کرو.... ورنہ میں فائرنگ شروع کر دوں گا"۔ وہ غرائے۔

ان کی رسیاں کھول دی گئیں۔

"لیکن ابا جان.... یہ ہوا کیسے"۔

"کیا کیسے ہوا"۔ وہ مسکرائے۔

"آپ کے ہاتھ کیسے کھل گئے.... کلاشن کوف آپ کے ہاتھ میں کس طرح آ گئی"۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے.... ارے بھئی کرسی مار مار کر رسیاں ڈھیلی کی تھیں اور پھر ہاتھ آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا....

جب میں نے سنا۔۔۔ ان میں سے دو آپس میں بھائی بھی ہیں۔۔۔ اور
میں سے ایک نیچے آگیا ہے۔۔۔ دوسرا اوپر ہے تو میں نے فوراً اندازہ
لیا کہ اگر میں ایک بھائی پر قابو پالوں تو دوسرا بھائی اوپر والوں کو فائرنگ
نہیں کرنے دے گا۔۔۔ اور یہی ہوا۔۔۔ اگر بھائی کی بجائے نیچے کوئی اور
ہوتا تو پھر اوپر والوں کو فائرنگ کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوتا"۔

"اوہ! اور آپ نے اسی کلاشن کوف سے اوپر فائر کر دیا"۔

"ہاں! اوپر استاد کے سوا بچا کون تھا۔۔۔ ایک آدمی کو نشانہ بنانا
مشکل تھا"۔

"اف مالک۔۔۔ کس قدر مشکل معرکہ ثابت ہوا یہ"۔

"اس لیے کہ اس منصوبہ بندی کے پیچھے ابطال کا ہاتھ ہے"۔

"جانے یہ ابطال کیا بلا ہے"۔

اس بلا کو آج تک کسی نے دیکھا نہیں۔۔۔ اور یہی اس بلا کی
اصل خوبی ہے۔۔۔ ویسے اس بار اگر مقابلے پر واقعی یہ ہے تو واقعی
پسینہ آجائے گا"۔

"چلیے کوئی بات نہیں۔۔۔ بے چارے دانت پسینے کو ترس رہے
تھے"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا"۔

"اس کے امکانات پہلے تھے۔۔۔ اب نہیں رہ گئے"۔

"کس کے امکانات؟"

"دماغ چلنے کے"۔

"ادھر ادھر کی باتیں نہیں چلیں گیں۔۔۔ پہلے ان لوگوں کو باندھ
لو۔ بالکل اسی طرح جس طرح یہ تم لوگوں کو باندھ دینا چاہتے تھے"۔

"جی بہت بہتر۔۔۔ یہ تو بہت مزے دار ڈیوٹی ہے۔۔۔ ابھی تو ان
لوگوں سے بدلہ لینے کا وقت آیا ہے"۔ محمود نے کہا۔

اور پھر انہوں نے ان سب کو مضبوطی سے کس دیا۔۔۔ پھر
کرسیوں کو بھی آپس میں باندھ دیا۔

عین اسی وقت ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔

"آہا! بہت اچھے وقت پر پیغام آیا ہے۔۔۔ ابا جان استاد کے بجائے
اب آپ یہ پیغام سنیں گے۔۔۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ اس لیے کہ بے چارہ استاد تو اب اس قابل رہا
ہی نہیں"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر انہوں نے استاد کے لباس میں سے ٹرانسمیٹر نکال لیا۔۔۔
اور اس کا بٹن دبا کر بولے۔

"یس"۔

"یہ کیا۔۔۔ یہ آواز استاد کی تو نہیں ہے"۔

"ہاں مسٹر ابطال۔۔۔ تمہارے اندازوں کے مطابق یہاں کایا پلٹ
ہو چکی ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرے اندازوں کے مطابق"۔ دوسری طرف سے حیرت زدہ

آواز میں کہا گیا۔

"ہاں! تمہارا اندازہ یہی تھا نا کہ آخرکار ہم پانسہ پلٹ دیں گے"۔

"خیال ضرور تھا... لیکن میں نے منصوبہ بندی اس طرح کی تھی کہ ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا... تو کیا اس وقت صورت حال آپ کے کنٹرول میں ہے"۔

"جی... آپ کے نائب مارے جا چکے ہیں اور ان کے دو ماتحت اس وقت کرسیوں سے بندھے پڑے ہیں"۔

"اچھا ہی ہوا! استاد مارا گیا... ورنہ اس کا یا پلٹ کے بعد زندہ اسے میں بھی نہ چھوڑتا"۔ اس کی آواز سنائی دی۔

"اب کیا پروگرام ہے مسٹر باس... آپ پھر مقابلے پر آ رہے ہیں یا نہیں"۔

"میرے لیے کام کرنے والے ان گنت ہیں... اور فوج بھیجنا ہوں"۔

"شکریہ! ہم ذرا اپنے گھر جا رہے ہیں... آپ اپنی فوج ہمارے گھر بھیجیے گا"۔

"اچھی بات ہے... وہیں بھیج دوں گا"۔

"بہتر تو یہ تھا کہ تم خود آ جاتے... ذرا مزا رہتا"۔

"میرے پاس کرنے کے بہت سے اہم کام ہیں"۔ اس نے

کہا۔

"یہ ہمیں اغوا کرانے کی کیا ضرورت تھی"۔

"تمہارا کچھ وقت ضائع کرنا چاہتا تھا... اور پھر یہ بھی دیکھنا تھا کہ تم لوگ دراصل کتنے پانی میں ہو"۔

"پھر کیا اندازہ لگایا؟"

"مقابلہ کر کے مزا آئے گا... غالباً" یہ ہماری پہلی ٹکر ہو گی"۔

"لیکن کیا مزا... آپ خود تو مقابلے پر آئیں گے ہی نہیں"۔

"آئے گا مزا... بس دیکھتے جائیں... ابھی مزے کے بہت مواقع آئیں گے"۔

"ہم تو چلے... آپ جانیں... آپ کا کام"۔

اور پھر انہوں نے گاڑی پوری رفتار پر چھوڑ دی' ابھی انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ گھر سے کتنی دور ہیں... آتے ہوئے راستے کا اندازہ نہیں کیا تھا... دو گھنٹے بعد وہ گھر پہنچ سکے... لیکن وہاں سے بیگم شیرازی نے انہیں بتایا کہ سب لوگ پروفیسر داؤد کی طرف ہیں... اب انہوں نے اس طرف کا رخ کیا... گھنٹی بجانے کے فوراً بعد دروازہ کھلا اور انہیں انسپکٹر کاشان کی شکل دکھائی دی۔

"ہائیں! ہم غلط شہر میں تو نہیں آ گئے... کیا یہ پروفیسر غالب کی تجربہ گاہ ہے؟"

"جی نہیں... آپ بالکل درست جگہ آئے ہیں... اور آئے بھی

عین اس وقت ہیں جب ابقال سے بات ہو رہی ہے"۔

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا اور پھر وہ اندر کی طرف لپکے۔

آئی جی صاحب ابھی تک فون پر اس سے بات کر رہے تھے۔

"سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا دخل اندازی کی ہے۔۔۔ آہ۔۔۔ جمشید تم آ گئے"۔

"اوہ! انسپکٹر جمشید یہاں پہنچ گئے ہیں"۔

"ہاں! اب ہماری طاقت میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا ہے۔۔۔ اب ہم تم سے نبٹ لیں گے انشاء اللہ"۔

"خام خیالی ہے آپ کی۔۔۔ ایک انسپکٹر جمشید کیا۔۔۔ آپ سو اور لے آئیں۔۔۔ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔۔۔ مسیح کا ظہور ہو چکا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ دنیا دیکھ لے گی کہ سچا مذہب کون سا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔۔۔ بہت جلد تم دیکھ لو گے۔۔۔ ہم تم لوگوں کی سازش کو بے نقاب کر دیں گے"۔

"سازش۔۔۔ آپ لوگ اس کو سازش کہہ رہے ہیں۔۔۔ کیا حضرت مسیح کا نازل ہونا بھی کوئی سازش ہو سکتی ہے"۔

"ہاں! اس لیے کہ اس قسم کی سازش آپ لوگ پہلے بھی کر چکے ہیں اور اس میں ناکام ہو چکے ہیں۔۔۔ اس بار آپ لوگ پتھروں کی بارش ساتھ لے کر آئے ہیں۔۔۔ اور بس"۔

"ہم لے کر آئیں پتھروں کی بارش، نہیں۔۔۔ خداوند عالم نا

عذاب نازل فرما رہے ہیں"۔

"خیر خیر۔۔۔ بہت جلد ہم یہ بات بھی ثابت کر دیں گے"۔

"ادھر۔۔۔ اوپر دیکھیں۔۔۔ پتھروں کی بارش کا نمونہ آپ لوگ بھی دیکھ لیں۔۔۔ تاکہ آئندہ ہمارے کسی معاملے میں کوئی روڑا اٹکانے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون تو بند ہو گیا۔۔۔ بادلوں میں ایک کڑک گونجی۔۔۔ پھر ایک کڑک دار آواز شہر کے لوگوں نے سنی۔

"شہر کے لوگو۔۔۔ یسوع مسیح کا نزول ہو چکا ہے۔۔۔ اس پر ایمان لے آؤ۔۔۔ عیسائی مذہب اختیار کر لو۔۔۔ ورنہ تمہارے شہر پر پتھروں کی بارش شروع ہونے والی ہے۔۔۔ اس شہر کے صرف ایک حصے میں بہت معمولی سی پتھروں کی بارش کا نمونہ تم لوگ ابھی ابھی دیکھو گے۔۔۔ اس کے بعد بھی تم لوگوں نے گرجوں کا رخ نہ کیا۔۔۔ عیسائی ہونے کا اعلان نہ کیا تو پھر اس شہر سے بھی بڑا پتھر شہر پر آ کر ٹک جائے گا۔۔۔ اس وقت کے بارے میں ابھی سے سوچنا شروع کر دو۔۔۔ اور وہ دیکھو۔۔۔ شہر کے جنوبی حصے پر۔۔۔ ادھر زیادہ ہی مسلمان لوگ رہتے ہیں نا"۔

اور پھر لوگوں نے آسمان پر۔۔۔ دور بہت دور ایک سیاہ دھبا سا دیکھا۔ دھبا نیچے آتا نظر آیا پھر وہ دھبا بڑا ہوتا چلا گیا۔۔۔ یہاں تک کہ لوگوں کو وہ پتھر نظر آنے لگے۔۔۔ اب تو جنوبی حصے کے لوگ بے تحاشہ بھاگنے لگے۔۔۔ ان کے چہروں پر خوف کا ایسا عالم تھا کہ کیا کبھی دیکھنے میں

آیا ہو گا... بھاگنے والے بھی پتھروں سے بچ نہ سکے... پتھر بہت بڑے بڑے تھے... جس گھر پر گرے... اس گھر کا نشان مٹ گیا... جس آدمی پر گرے وہ ان کے نیچے آ کر دب گیا... صرف چند منٹوں میں ہزاروں آدمی اپنی زندگیوں اور گھروں سے ہاتھ دھو بیٹھے... جو زندہ بچے... ان کی حالت بھی بہت خراب تھی... کسی کا گھر نہیں تھا... تو کسی کا کوئی عزیز نہیں تھا... کسی کا پورا خاندان ہلاک ہو چکا تھا تو کسی کے پورے خاندان کا ایک فرد نہیں مل رہا تھا... غرض قیامت کا منظر تھا... پتھروں کے نیچے لوگوں کے عزیز دب گئے تھے اور وہ سب مل کر بھی ان پتھروں میں سے ایک پتھر کو بھی اپنی جگہ سے ہلانے کے قابل نہیں تھے۔

آخر حکومت کی طرف سے کرینیں بھیجی گئیں... آئی جی... اور انسپکٹر جمشید وغیرہ سب لوگ امدادی کارروائیوں کے لیے خود گئے... پتھروں کا ہٹانا کرینوں کے ذریعے بھی انتہائی مشکل ثابت ہوا... کچھ ہٹانے پر ملا کچھ بھی نہیں... وہاں تو گھر زمین کے برابر ہو گئے تھے... ایسے میں انسانوں کا کیا پتا چلتا... لوگ آنسو بہا رہے تھے... اور گرجا کا رخ کر رہے تھے... پادری انہیں گلے سے لگا کر دلاسہ دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے... سچے مذہب کی چھاؤں میں آ جاؤ... ایک پتھر بھی تم پر آ کر نہیں گرے گا... یسوع مسیح پتھروں کی بارش کو روک لیں گے... اور جواب میں روتے ہوئے لوگ کہہ رہے تھے... اسی لیے آئے ہیں... اسی لیے تو آئے ہیں۔

اس صورت حال نے انسپکٹر جمشید اور دوسرے سچے مسلمانوں کو بے حد پریشان کر دیا... انہوں نے فوراً ایوان صدر میں میٹنگ کی... صدر صاحب کا رنگ بالکل سفید تھا۔

"اب کیا ہو گا جمشید؟"

"ہم سب یہی سوچنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں سر... کہ اب کیا ہو گا اور... ہمیں اب کیا کرنا ہے"۔

"لوگ تو دھڑا دھڑ عیسائی ہو رہے ہیں... اگر سارا شہر عیسائی ہو گیا تو ہماری حکومت تو ختم ہو جائے گی"۔

"حکومت کی فکر نہ کریں... اس بات کی فکر کریں، لوگ عیسائی ہو رہے ہیں... اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں"۔

عین اس وقت بہت بڑا شور سنائی دیا... پھر ایوان صدر کے ملازموں نے گھبرائے ہوئے انداز میں اندر آ کر بتایا۔

"سر... بہت بڑا ہجوم ایوان صدر کی طرف بڑھ رہا ہے"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور وہ نعرے لگا رہے ہیں... ایوان صدر خالی کرو... اب تم ہمارے حکمران نہیں ہو... اب ہمارے نئے حکمران... بڑے پادری صاحب ہیں... جنہوں نے ہمیں نئی زندگی بخش دی ہے... پتھروں کی بارش سے بچایا ہے... حکومت تو ایک پتھر کو بھی گرنے سے نہیں روک سکی"۔

"اوہ اچھا.... یہ وقت بھی آنا تھا"۔ صدر صاحب کانپتی آواز میں بولے.... پھر انسپکٹر جمشید سے بولے۔

"اب کیا کریں جمشید"۔

"ایوان صدر ان کے حوالے کر دیں.... اور خفیہ راستے سے نکل چلیں.... ورنہ یہ لوگ ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اپنے محافظوں کو بھی اندر بلا لیں.... ورنہ یہ اس خفیہ راستے کے بارے میں ان لوگوں کو بتا دیں گے"۔ انہوں نے دبی آواز میں کہا۔

"اوہ.... اچھا"۔

اسی وقت گھنٹی بجائی گئی.... ایک محافظ فوراً اندر آ گیا۔

"ان سب محافظوں کو فوراً اندر بلا لیں"۔ صدر صاحب بولے۔

"او کے سر"۔ اس نے کہا اور باہر کی طرف دوڑ پڑا۔

"سر! میں ذرا اوپر سے دیکھ آؤں.... آنے والے کتنے لوگ ہیں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ اچھا"۔ وہ بولے۔

انہوں نے اوپر کی طرف دوڑ لگا دی.... چھت پر سے انہوں نے لاکھوں لوگوں کو آتے دیکھا.... ان سب سے آگے ایک پادری چلا آ رہا تھا.... وہ چاہتے تو صرف اس پادری کو نشانہ بنا کر ان سب کو بھاگنے پر مجبور کر سکتے تھے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا.... اصل مسئلہ پتھروں کی بارش کا تھا.... لوگ پادری سے نہیں پتھروں کی بارش سے خوف زدہ

تھے۔

لہٰذا وہ نیچے آ گئے.... اس وقت تک محافظ اندر آ چکے تھے.... اور دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا.... تمام محافظوں کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔

"ہم لوگ خفیہ دروازے سے نکلنے کا ارادہ رکھتے ہیں.... آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

"ہم آپ کے ساتھ ہیں"۔ ایک محافظ نے فوراً کہا۔

"سب لوگ چلنے کی تیاری کر لیں.... ضروری چیزیں اور اسلحہ ساتھ لے لیں.... میں ذرا ایک فون کر لوں"۔

وہ فون کی طرف بڑھ گئے.... بیگم کو فون پر ہدایات دینا ضروری تھا۔ اور پروفیسر داؤد کو بھی.... یہ کام کر کے وہ باقی لوگوں کی طرف پلٹے.... سب بالکل تیار کھڑے تھے.... ایسے میں ایک محافظ نے کہا۔

"لیکن ہمارے بیوی بچوں کا کیا ہو گا؟"

"اگر ہم باری باری سب کو فون کرتے ہیں تو ہم یہاں سے نکل نہیں سکیں گے.... لہٰذا خفیہ راستے سے نکلنے کے بعد ہم محفوظ مقام پر پہنچنے کی کوشش کریں گے.... اس کے بعد آپ لوگوں کے بیوی بچوں کو گھروں سے نکال کر لانا ہماری ذمے داری ہو گی"۔

"اچھی بات ہے"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

وہ خفیہ راستے کے ذریعے ایوان صدر سے نکلے.... اب انہیں

ایک سرنگ میں چلنا پڑ رہا تھا۔۔۔ سرنگ بہت طویل تھی۔۔۔ قریباً دو گھنٹے تک چلنے کے بعد وہ ایک جنگل میں پہنچے۔۔۔ گویا وہ اب شہر سے باہر تھے۔

"یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔۔۔ اس لیے کہ وہ لوگ بھی آخر کار اس خفیہ راستے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔ اور پھر اس طرف دوڑے آئیں گے۔۔۔ لہٰذا میرے ساتھ آئیں"۔

انسپکٹر جمشید انہیں اپنے ایک خاص ٹھکانے پر لے آئے۔ اب انہوں نے محافظوں کے پتے نوٹ کیے اور رات ہونے پر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔۔۔ بیگم جمشید اور پروفیسر داؤد خان رحمان کے گھر والوں کو لے کر بیگم شیرازی سمیت وہاں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔۔۔ خان رحمان کو ان کے پاس چھوڑا گیا۔۔۔ انہوں نے صدر دروازوں والے محافظ ساتھ لیے تھے۔۔۔ یوں ایوان صدر کے پاس فوج بھی موجود تھی۔۔۔ لیکن فوج کو انہوں نے وہیں رہنے دیا تھا۔۔۔ کیونکہ چونکہ انہیں کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی اس لیے اب یہ فوج کی مرضی تھی کہ وہ ایوان صدر کی طرف آنے والوں کے ساتھ کیا کرتی ہے۔۔۔ ہتھیار پھینک دیتی ہے یا نہیں۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ اندر سے کوئی اشارہ نہ پا کر انہوں نے بھی ہتھیار پھینک دیے ہوں گے۔

محافظ کل دس تھے۔۔۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں دس گھروں میں جانا تھا۔۔۔ اور وہاں سے عورتوں اور بچوں کو نکال کر اپنے ساتھ

خفیہ ٹھکانے پر لے کر آنا تھا اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔۔۔ ان کے پاس خان رحمان کی بڑی گاڑی تھی۔۔۔ راستے میں اگر چیکنگ نہ ہو رہی ہوتی تو اور بات تھی۔۔۔ لیکن وہ پہلے ہی اس بات کا اندازہ لگا چکے تھے کہ سڑکوں کی ناکہ بندی ضرور کر لی گئی ہو گی۔۔۔ محافظوں کے بیوی بچوں کا تو ان لوگوں کو خیال تک نہیں آیا ہو گا۔۔۔ لہٰذا ان کے گھروں کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی گئی ہو گی۔۔۔ اس لیے انسپکٹر جمشید نے گلیوں کا رخ کیا۔۔۔ وہ گلیوں سے ہوتے ہوئے پہلے ایک گھر تک پہنچے۔

"محمود! تم ذرا سڑک کی صورت حال معلوم کر آؤ"۔ انہوں نے گھر کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا"۔ محمود نے کہا اور گاڑی سے اتر کر سڑک کی طرف چلا گیا۔۔۔ انہوں نے احتیاطاً گاڑی کی لائٹیں بھی بجھا رکھی تھیں۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے دستک دی۔۔۔ اندر سے جلد ہی کسی نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"کون؟"

"یہ ایوان صدر کے ایک محافظ سرفراز خان کا گھر ہے نا"۔

"جی ہاں! آپ کون ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید۔۔۔ جس وقت ایوان صدر پر لوگ چڑھ دوڑے۔۔۔ ہم لوگ بھی اندر تھے۔۔۔ اب ہم ایک خفیہ مقام پر موجود ہیں۔۔۔ آپ کے خاوند بھی وہیں ہیں۔۔۔ آپ ہمارے ساتھ چلیے۔۔۔ یہاں آپ کی

جان کو خطرہ ہے"۔

"لیکن.... اس بات کی کیا ضمانت کہ آپ غلط لوگ نہیں ہیں"۔

"یہ دیکھئے.... میرے ساتھ بچے بھی ہیں.... کوئی اپنے بچوں کو ساتھ لے کر تو دوسروں کو دھوکا نہیں دیتا پھرتا.... آپ جلدی کریں۔ وقت کم ہے.... ہمیں نو اور گھروں میں بھی جانا ہے"۔

"اچھی بات ہے.... اللہ مالک ہے"۔ اندر سے فکرمندانہ آواز میں کہا گیا۔

اور پھر ایک عورت اور تین بچے باہر نکلے"۔

"آپ نے اپنے ضروری زیورات وغیرہ ساتھ لے لیے ہیں۔ چند کپڑے بھی"۔

"جی ہاں! لے لیے ہیں"۔ اس نے کہا۔

اسی وقت محمود واپس آگیا۔

"سڑک پر زبردست ناکہ بندی ہے ابا جان"۔

"اوہ اچھا"۔ وہ بڑبڑائے۔

اس طرح وہ باقی گھروں میں بھی پہنچے.... کئی جگہ انہیں سڑک پار آنے کا خطرہ بھی مول لینا پڑا.... ورنہ ان گھروں تک پہنچنا ممکن نہ تھا.... عورتیں اور بچے ایک دوسرے کے اوپر بٹھائے گئے تب کہیں جا کر وہ سب اس گاڑی میں سمائے.... اور پھر ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ انہیں ایک جگہ سے سڑک پار کرنا تھی، اس

سڑک کو پار کئے بغیر وہ اپنے خفیہ ٹھکانے پر نہیں پہنچ سکتے تھے، جس وقت وہ آئے تھے، اس وقت اس سڑک پر پولیس نہیں تھی.... لیکن انہوں نے محمود کو گلی کے موڑ پر بھیج کر معلوم کروایا تو گلی سے کچھ فاصلے پر پولیس نظر آئی.... وہ فوراً پیچھے ہٹ آیا۔

"اب کیا کیا جائے؟" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کی صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے ابا جان؟" فرزانہ بولی۔

"اور وہ کیا؟"

"سب لوگ سڑک پر سے سینے کے بل رینگتے ہوئے گزر جائیں اور آگے جا کر کافی دور کھڑے ہو جائیں.... آپ کار کو بلا کی رفتار سے چلا کر اس جگہ پہنچ جائیں.... ہم لوگ آن کی آن میں گاڑی میں بیٹھ جائیں گے.... ہمارا تعاقب کیا جائے گا.... لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں جل دینے میں کامیاب ہو جائیں گے.... اور انہیں بہت پیچھے چھوڑ دیں گے"۔

"ہوں! بات ٹھیک ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور پھر اس ترکیب پر عمل کیا گیا.... سب لوگ سینے کے بل رینگ کر دوسری طرف پہنچ گئے.... سڑک تاریک تھی.... اور پولیس گاڑی میں بیٹھی اونگ رہی تھی.... سب سے پہلے انہوں نے محمود کو بھیجا تھا.... تاکہ وہ باقی لوگوں کو اس جگہ جمع کر لے.... جہاں سے انہیں

پھر گاڑی میں بیٹھنا تھا.... آخر میں جب فرزانہ اور فاروق کی باری آئی تو
فرزانہ دبی آواز میں بولی۔

"ایک اور ترکیب ہے ابا جان.... اس طرح شاید ہم تعاقب سے
بھی بچ سکتے ہیں"۔

"اوہ وہ کیا؟" وہ جلدی سے بولے۔

"ہم گاڑی اسٹارٹ کئے بغیر دھکا لگاتے ہوئے سڑک پر لے
جاتے ہیں.... ہو سکتا ہے .... اونگھتی پولیس گاڑی کو نہ دیکھے.... اس
طرح تعاقب کا خطرہ ٹل سکتا ہے' لیکن اگر آپ سٹارٹ کر کے سڑک
پار کرتے ہیں' اس صورت میں تعاقب کیا جانا یقینی ہے"۔

"بات معقول ہے.... ہم یہ تجربہ کریں گے.... تم گاڑی کو دھکا
لگاؤ.... میں سٹیرنگ سنبھالتا ہوں.... لیکن ایک بات نوٹ کر لو۔
پولیس نے گاڑی کو دیکھ لیا تو.... پھر مجھے گاڑی یک دم سٹارٹ
پڑے گی"۔

"ٹھیک ہے.... کوئی بات نہیں"۔ فاروق مسکرایا۔

"کوئی بات کیوں نہیں بھئی.... اس صورت میں تم دونوں
رہ جاؤ گے"۔

"تو کیا ہوا.... ہم کسی نہ کسی طرح پہنچ جائیں گے"۔

"کہیں اس طرح تم پھنس نہ جاؤ"۔

"دوسری طرح پوری گاڑی پھنس سکتی ہے ابا جان"۔

"ہاں! دونوں طرح ہی خطرہ پیش آنے کا امکان ہے.... ہمیں
دیکھنا یہ ہے کہ کم خطرہ کس طرح پیش آ سکتا ہے"۔

"گاڑی کو دھکا لگا کر لے جانے میں"۔

"اچھا تو بسم اللہ کرو.... اللہ مالک ہے"۔

فاروق اور فرزانہ نے گاڑی کو دھکا لگانا شروع کیا.... انسپکٹر جمشید نے
سٹیرنگ سنبھال لیا.... یہاں تک کہ وہ سڑک پر پہنچ گئے.... عین اس
وقت سڑک پر روشنی ہو گئی.... ٹارچ کی روشنی کار پر پڑی.... اور پھر
کسی نے چلا کر کہا۔

"خبردار! رک جاؤ.... ورنہ گولی مار دوں گا"۔

انسپکٹر جمشید روشنی پڑنے کے ساتھ ہی گاڑی سٹارٹ کر چکے
تھے.... گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی اور گلی میں داخل ہو گئی....
ادھر فاروق اور فرزانہ جو سڑک کراس کر چکے تھے واپس رینگنے لگے
تھے.... گلی میں داخل ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دوڑنے لگے....
انہیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اب وہ کہاں نکلیں گے.... لیکن فی الحال تو
ضرورت تھی یہاں پولیس سے بچنے کی.... لیکن شاید انہیں بھی دیکھ لیا
گیا تھا.... کیونکہ پولیس گاڑی والی گلی میں بھی داخل ہوئی تھی اور ان
کی والی گلی میں بھی.... پھر پولیس کے بعد پولیس کی دو گاڑیاں بھی اس
گلی میں داخل ہوئیں.... جس میں انسپکٹر جمشید گئے تھے۔

"ارے باپ رے.... فرزانہ.... یہ لوگ تو ہمارے پیچھے بھی لگ

گئے ہیں"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں.... ایڈونچر رہے گا"۔ فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا.... ایڈونچر رہے گا.... ارے بھائی ہم اباجان اور دوسروں سے الگ ہو گئے ہیں.... اور وہ ہماری وجہ سے پریشان ہوں گے.... جب تک ہم ان تک نہیں پہنچ جاتے.... اس وقت تک انہیں سکون نصیب نہیں ہو گا"۔

اچانک سامنے سے ٹارچ کی تیز روشنی ان پر پڑی.... ساتھ ہی کہا گیا۔

"ہالٹ!!"

○☆○

لوٹ آئے ہیں

"تابوت خالی ہیں.... پھر وہ مردے کہاں گئے.... میں نے خود اپنی آنکھوں سے مردے کو دیکھا تھا.... کم از کم اس ایک تابوت میں تو مردہ ضرور تھا.... مگر نہیں.... ڈھکنے تو سبھی تابوتوں کے الٹے تھے.... لہٰذا ان سب میں بھی مردے تھے.... اور مردے کوئی ہوا نہیں ہوتے کہ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جائیں.... اتنی جلدی وہ رسی کے ذریعے اوپر بھی نہیں پہنچ سکتے.... کیوں منور علی خان.... تم کیا کہتے ہو؟"

"اس قدر اندھیرا ہے کامران مرزا کہ کچھ نہیں سوجھ رہا"۔

"یار تم آنکھوں سے نہیں، دماغ سے سوچو"۔

"دماغ سے.... لیکن اندھیرے میں دماغ بھی تو دکھائی نہیں دے رہا"۔ منور علی خان بولے۔

"اچھا میں سمجھا.... تم پر ان کی صحبت کا اثر ہو گیا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر کہا۔

"ہاں شاید یہی بات ہے.... اب کیا کیا جائے.... اب تو ہو گیا"۔

"اچھا فرحت.... تم کیا کہتی ہو؟"

"سب سے پہلے روشنی ضروری ہے انکل.... تبھی کچھ ہو سکتا ہے.... اس اندھیرے میں تو ہم اوپر جانے کے قابل بھی نہیں رہے"۔

"لیکن بہرحال ہمیں اوپر جانا تو پڑے گا.... میں رسی کو تھامتا ہوں"۔

"اور پھر ہم روشنی کا انتظام کر کے یہاں آ سکتے ہیں.... اس وقت تہ خانے کا جائزہ لیا جا سکتا ہے"۔ آصف بولا۔

"آہا! یہ رہی رسی"۔ انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنی.... پھر وہ جلدی سے بولے۔

"آفتاب.... پہلے تم اوپر جاؤ"۔

"جی بہتر"۔

وہ آواز کے رخ پر بڑھا اور اپنے والد سے ٹکرا گیا.... انہوں نے رسی اسے تھما دی.... وہ گھپ اندھیرے میں اوپر چڑھنے لگا۔

"میں اوپر چڑھ گیا ہوں"۔

"بہت خوب.... اب آصف آئے گا"۔

اس کے بعد وہ باری باری اوپر پہنچ گئے.... اب وہ کم از کم ایک دوسرے کو دیکھنے کے قابل تو ہو ہی گئے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے.... اس تہ خانے سے تو نجات ملی"۔

"ابھی کہاں.... ابھی تو ہم روشنی کا انتظام کر کے پھر نیچے جائیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ارے باپ رے.... آپ کا پروگرام تو بہت لمبا ہے"۔

"اور ابھی ہمیں چیونٹیوں کے نیچے سے بھی گزرنا ہے"۔ منور علی خان بولے۔

"اوہ ہاں بھئی.... ان کے بارے میں بھی کچھ سوچو"۔ وہ بولے۔

"ان کے بارے میں تو صرف انکل ہی سوچ سکتے ہیں"۔

"اس کا ایک ہی حل ہے.... واپس جانے کے بجائے.... آگے چلتے ہیں.... اس طرف سے سرد ہوا آئی ہے کئی بار"۔ فرحت نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے.... اسی طرف چلتے ہیں.... ویسے یہ غار ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ پراسرار اور خوفناک ثابت ہوا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کوئی بات نہیں.... ہم اس غار میں واپس آئیں گے اور اس تہ خانے کے اسرار کو دیکھیں گے"۔ منور علی خان بولے۔

"ان شاء اللہ"۔ وہ سب ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھے.... غار آگے بہت صاف تھا.... راستا بھی بہتر تھا اور کوئی خوفناک چیز بھی نظر نہ آئی.... یہاں تک کہ انہیں غار کا دہانہ نظر آ گیا۔

"وہ مارا! ہم غار کی دوسری طرف سے نکل آئے"۔ آصف نے چلا کر کہا۔

"لیکن تم نے مارا کیا؟" فرحت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ!" آفتاب فوراً بولا۔

وہ ہنسنے لگے.... چہروں پر اب رونق آ گئی تھی.... ساتھ ہی ا
سورج کی روشنی بھی نظر آئی.... ٹھنڈی ہوا اب مسلسل چہروں سے
رہی تھی.... ایسے میں پانی کا شور کانوں سے ٹکرایا۔

"اوہو.... غار کے دوسری طرف تو شاید دریا ہے.... یا
جھیل"۔

"چلیں.... اب پانی میں گھسنا پڑے گا"۔ آفتاب کا منہ بن گیا

"اگر پانی میں گھسنے سے گھبراتے ہوئے تو تم واپس مڑ جانا
اس طرف سے غار سے نکل آنا.... ہم چکر کاٹ کر دوسرے
پہنچ جائیں گے"۔ آصف بولا۔

"ارے باپ رے.... یہ تو اور مشکل ہے"۔ آفتاب نے
کر کہا۔

"اگر مشکل ہے تو پھر اسی طرف سے آگے بڑھتے رہو"۔

غار کے منہ پر آ کر انہوں نے دیکھا.... دوسری طرف بہت
جھیل تھی.... ہوا سے پانی لہریں بنا رہا تھا اور ان لہروں کا شور گونج
تھا.... جھیل کا دوسرا کنارہ انہیں نظر نہیں آ رہا تھا"۔

"ہمیں کافی دیر تیرنا پڑے گا"۔

"اور موسم بھی سردی کا ہے"۔ آفتاب نے کہا اور اس

دانت بجنے لگے.... وہ مسکرا دیئے.... اس لیے کہ دانت مصنوعی بج رہے
تھے۔

"موسیقی کا شوق پورا کر رہے ہو کیا؟" فرحت بولی۔

"موسیقی حرام ہے"۔ آفتاب نے فوراً کہا اور ساتھ ہی دانت
بجنے بند ہو گئے۔

"کمال ہے.... سردی کا احساس اس قدر جلد کم ہو گیا"۔ فرحت
ہنسی۔

"جب کہ ابھی ہم پانی میں اترے بھی نہیں"۔ آصف بولا۔

"میرا مذاق اڑانے کی کوشش نہ کرو.... ورنہ میں تم دونوں کا نہ
جانے کیا کیا اڑا دوں گا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"ہائیں ہائیں.... اب دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہو"۔ فرحت
کے لہجے میں حیرت تھی۔

"شکر کرو.... صرف اتر ہی آئے ہیں.... چڑھ نہیں آئے"۔
آصف نے منہ بنایا۔

"یہ کیا بات ہوئی"۔ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"پتا نہیں.... کوئی بات ہوئی یا نہیں.... بات بے بات' بات کے
پیچھے نہ پڑ جایا کرو"۔

"میں پیچھے پڑ رہی ہوں.... دماغ تو نہیں چل گیا؟"

"درست اندازہ لگایا فرحت.... مبارک باد قبول کرو"۔ آفتاب

نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ تو ہو گئے شروع.... اب جھیل کا کیا کریں"۔ انسپکٹر
مرزا نے منہ بنایا۔

"جھیل.... اوہ ہاں جھیل.... کہیں یہ کوئی خونی جھیل نہ ہو
موت کی جھیل نہ ہو"۔ منور علی خان مسکرائے۔

"ناولوں کے نام سوچ رہے ہو کیا؟" انسپکٹر کامران
چونک کر کہا۔

"بھئی واہ مرزا آ گیا.... انکل میں فاروق کی روح آ گئی"۔

"نن.... نہیں.... ارے باپ رے.... بھئی کم از کم
ذکر نہ کرو.... مم.... میں روحوں سے بہت ڈرتا ہوں"۔ منور
کانپ کر بولے۔

اور وہ مسکرانے لگے.... پھر انہیں جھیل میں چھلانگیں
پڑیں.... غار کے دہانے میں کب تک کھڑے رہ سکتے تھے۔
غار کے دہانے سے کافی نیچے تھا اور اوپر جانے کا کوئی راستہ نہ
یہاں پہاڑ بالکل عمودا" تھا.... یوں بھی پہاڑ پر چڑھنے سے
کرنا بہت آسان تھا۔

"پانی بہت سرد ہے.... کاش یہ مہم ہم گرمیوں میں
آفتاب نے سرد آہ بھری۔

"سرد آہیں بھر کر پانی کو اور سرد نہ کرو"۔ آصف

"ہاں واقعی.... پانی بہت زیادہ سرد ہو گیا ہے"۔ فرحت بولی۔

"اگر باتیں کرو گے تو پانی کی ٹھنڈک میں اور اضافہ ہو جائے
گا اس لیے اس وقت صرف تیرنے سے کام رکھو"۔ انسپکٹر کامران
مرزا نے بھنا کر کہا۔

"جی.... جی ہاں"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ جھیل کے کنارے پہنچ گئے.... انہوں نے پیچھے مڑ کر
دیکھا۔ اب وہ غار انہیں نظر نہیں آ رہا تھا.... البتہ وہ پہاڑ ضرور نظر آ
رہا تھا۔ جس میں وہ غار تھا۔

"کتنی پراسرار جگہ ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"اب نہ جانے ہمیں کتنا بڑا چکر لگانا پڑے.... غار کے دوسرے
دہانے تک پہنچنے کے لیے"۔

"اور اس طرف موجود لوگ خیال کر رہے ہوں گے.... ہم
ڈوب گئے"۔

"ہاں.... دوسرے لوگوں کی طرح.... ویسے یہ خیال کچھ غلط بھی
نہیں ہے۔ لوگ تو ان چوٹیوں سے ہی بچ کر نہیں نکل پاتے ہوں
گے۔ بلکہ اس سے بھی پہلے اژدھے سے"۔

"ہاں واقعی.... غار بہت خوفناک ہے.... اور تابوتوں والے نہ
ہوتے تھے تو شاید ہمارے علاوہ اور کوئی پہنچا بھی نہیں"۔

"تابوتوں والی بات نے مجھے ابھی تک الجھن میں ڈالا ہوا ہے....

اور میں دوسرے دہانے پر پہنچ کر ایک بار پھر اس جگہ تک جا
ہوں.... بہت سے بیٹری سیل ساتھ لے کر"۔

"تو پھر چلیے.... اب اس جھیل کے ساتھ ساتھ چلا
آفتاب نے سرد آہ بھری۔

"یار اگر تمہارا دل کسی مہم کو سر کرنے کے لیے تیار
تو گھر سے نکلا ہی کیوں کرتے ہو.... انکل تمہیں زبردستی تو
نہیں.... کیوں انکل"۔

"نہیں.... اگر یہ ساتھ نہ آنا چاہے.... تو میں کیوں
وہ مسکرانے لگے۔

"لیکن.... میں ان کے ساتھ آئے بغیر بھی تو نہیں
"تو پھر جب آ ہی جاتے ہو تو کام سے نہ گھبرایا کرو"۔

"گھبراتا کون ہے.... یہ تو گھبرانے کی ایکٹنگ کر رہا ہے"
خان ہنسے۔

"اوہو انکل.... آپ نے تو بے چارے کا راز افشا
تو ذرا دل بہلا رہے تھے"۔ فرحت نے منہ بنایا۔

وہ چلتے رہے.... چلتے چلتے ہوا اور دھوپ سے کافی
خشک ہو گئے.... دوسرے کپڑے تو ان کے پاس تھے نہیں۔
گھنٹے چلنے کے بعد انہیں دوسرے دہانے کے آثار نظر آئے
وہاں پہنچے تو بہت سے لوگ وہاں جمع تھے.... سنسنی خیز آواز

ہے تھے"۔

"کیا ہو رہا بھئی.... خیر تو ہے"۔

"یہ خونی غار.... آج پھر پانچ انسانوں کو کھا گیا"۔

"کک.... کیا؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! وہ بے چارے سیر کرنے گئے تھے.... جہاں تک عام لوگ
جاتے ہیں.... وہ اس جگہ سے آگے جانے لگے.... تو لوگوں نے انہیں
بہت روکا.... لیکن وہ نہ رکے.... انہوں نے رسی کے ذریعے اس کھائی
کو عبور کیا.... جس سے آگے جانا منع ہے.... اور پھر لوگوں کی نظروں
سے اوجھل ہو گئے.... اب تو انہیں گئے نہ جانے کتنے گھنٹے ہو گئے
ہیں.... اور اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور واپس آ گئے ہوتے"۔

"تو کیا.... اب غار لوگوں کے لیے بند کر دیا گیا ہے"۔

"نہیں.... غار تو سیر کے لیے کھلا ہے.... لیکن آگے ایک
دہانہ لگا دیا گیا ہے.... جو لوگوں کو آگے نہیں جانے دیتا"۔

"ہوں.... یہاں سے بیٹری سیل مل جائیں گے"۔

"ضرور کیوں نہیں.... وہ اس طرف مارکیٹ ہے.... ہر چیز مل
جاتی ہے"۔

"شکریہ" یہ کہہ کر وہ اس طرف بڑھ گئے۔

اور پھر سیل خرید کر.... اور جیبوں میں قدرے فرق پیدا کر کے
غار کے دہانے کی طرف آئے.... کیونکہ اس بات امکان تھا کہ بکنگ

کلرک انہیں پہچان لیتا اور پھر انہیں گھیر لیا جاتا.... ان سے ہزاروں سوالات کئے جاتے.... اس سے یہی بہتر تھا کہ وہ ہلکا پھلکا میک اپ کر لیں.... اب ان کے پاس چوبیس گھنٹے تک جلانے کے لیے بیٹری بھی موجود تھے۔

ٹکٹ لینے صرف میں جاؤں گا اور اندر بھی ہم ایک ایک کر کے جائیں گے.... تاکہ غار کے دہانے پر بیٹھے ہوئے محافظ ہمیں دیکھ کر الجھن میں نہ پڑ جائے۔

"یہ ترکیب ٹھیک رہے گی"۔

اس طرح وہ ایک بار بھی غار میں داخل ہوئے.... دہانے پر بیٹھے ہوئے شخص نے ان سے باری باری کہا۔

"پتھر کے صندوق سے آگے جانے کی ہرگز کوشش نہ کیجئے جناب.... آگے خطرہ ہے خطرہ.... پانچ افراد اس سے آگے چلے گئے تھے.... اب تک ان کی واپسی نہیں ہو سکی.... اور جلد واپس آجائے گا.... اس لیے کہ اب واپسی میں زیادہ وقت نہیں ہے.... پھر خبردار کیا جائے گا"۔

"اوہ! یہ سن کر بہت افسوس ہوا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔ اندر وہ پھر ایک جگہ جمع ہو گئے اور پتھر کے صندوق کی طرف بڑھے۔

"اب صندوق کے پاس رکنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"پہلے ہمارے مقصد پورا نہیں ہوا تھا.... اور لوگ بھی دیکھنے کے لیے جمع تھے.... لیکن اب جب کہ سب لوگ ادھر کا رخ کرنے والے ہوں گے.... ہم غار کا بغور جائزہ لے سکیں گے"۔

"صندوق کے نزدیک پہنچ کر وہ رک گئے.... چند افراد اس کو دیکھنے میں مصروف تھے.... آخر وہ بھی چلے گئے.... اب ان کی باری تھی.... انہوں نے اس کا جائزہ لینا شروع کیا.... انسپکٹر کامران مرزا نے ایک چاقو کی مدد سے.... اس کے بعض حصوں کو کھرچ کر دیکھا.... اور اس طرح چھوٹے والے ذرات ایک کاغذ پر لے کر محفوظ کر لیے۔

"ان ذرات کا آپ کیا کریں گے؟"

"پتا نہیں.... شاید کسی وقت ان کی ضرورت پڑ جائے.... اس لیے محفوظ کر لیے ہیں"۔

اب وہ وہاں سے کھائی کی طرف بڑھے.... وہاں وہ بورڈ بدستور موجود تھا اور ایک نگران بیٹھا تھا.... وہ آگے بڑھنے لگے تو اس نے کہا:

"نہیں جناب! آپ اور آگے نہ جائیں.... آگے غار حد درجے خطرناک ہے.... آپ سن ہی چکے ہوں گے.... پانچ افراد کی ایک پارٹی غار کے دیکھتے دیکھتے آگے نکل گئی.... اب تک لوٹ کر نہیں آئی"۔

"ہاں ہم سن چکے ہیں.... لیکن آپ فکر نہ کریں.... ہم زیادہ دور نہیں جائیں گے"۔

"نہیں.... نہیں.... یہاں سے آگے تو یہ کھائی ہے.... اور کھائی

میں اترنا بھی مشکل کام ہے۔۔۔ اتر گئے تو اوپر آنا مشکل ہو گا۔۔۔ لہٰذا میں یہی کہوں گا کہ آپ نہ جائیں"۔

"ہم ذرا اس کھائی کو تو دیکھ لیں۔۔۔ پھر آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے"۔

"کیسا فیصلہ؟" اس نے چونک کر کہا۔

"یہ کہ ہمیں آگے جانا چاہیے یا نہیں"۔

"وہ تو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔۔۔ نہیں جانا چاہیے"۔

"ہم جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں"۔

"آپ کے فیصلے کی یہاں کوئی اہمیت نہیں۔۔۔ غار کا انتظام کرنے والوں کا فیصلہ چلے گا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"کم از کم ہم میں سے ایک کو تو کھائی میں اترنے کی اجازت دے دیں"۔

"نہیں ہرگز نہیں"۔

"تو پھر ہم سب کو اجازت دے دیں"۔

"آپ لوگ بہت عجیب ہیں"۔

"ہاں! وہ تو خیر ہم ہیں"۔

"منور علی خان۔۔۔ میں نیچے جا رہا ہوں"۔ انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

"آپ۔۔۔ آپ نے میری بات نہیں سنی"۔

"ہاں! سن چکے ہیں۔۔۔ لیکن ہم مجبور ہیں"۔

"کیا کہا۔۔۔ آپ مجبور ہیں۔۔۔ کیا مجبوری ہے آپ کو"۔

"بتا نہیں سکتے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے رسی نیچے لٹکا دی۔۔۔ اب منور علی خان کئی رسیاں خرید چکے تھے۔

"خبردار"۔ نگران نے چلا کر کہا۔

"افسوس! ہم نہیں رک سکتے"۔

"میں انتظامیہ کے لوگوں کو بلا لاؤں گا"۔

"ضرور بلا لائیں"۔

وہ باہر کی طرف دوڑا۔۔۔ یہ موقع ان کے لیے اچھا تھا۔۔۔ وہ سب جلدی جلدی نیچے اترتے گئے۔۔۔ اور جب انتظامیہ والے وہاں پہنچے۔۔۔ تو وہ کھائی کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔

"یہ کیا۔۔۔ یہ تو اس طرف پہنچ چکے ہیں"۔ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"جب میں نے دوڑ لگائی تھی۔۔۔ ان میں سے صرف ایک ابھی نیچے اترنے کی تیاری کر رہا تھا۔۔۔ وہ رسی لٹکا چکا تھا۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ اتنی جلدی یہ لوگ اتر بھی گئے اور دوسری طرف چڑھ بھی گئے"۔

"آپ حضرات واپس آ جائیں۔۔۔ اپنی زندگیوں سے نہ کھیلیں"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہم ذرا سیر کریں گے اور بس"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اس کی اجازت نہیں ہے"۔

"نہ ہو.... ہم اب دیکھے بغیر واپس نہیں آئیں گے"۔

"آپ کو معلوم ہے' پانچ افراد پہلے ہی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں"۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"اس طرح کہ وہ جو گئے تھے.... ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے"۔

"تو اس سے یہ بات کس طرح ثابت ہو گئی کہ.... وہ مر چکے ہیں"۔

"اگر زندہ ہوتے تو لوٹ کر نہ آتے"۔

"ہو سکتا ہے.... وہ کہیں پھنس گئے ہوں.... اور ان کے لیے آگے جانا اور بھی ضروری ہو گیا ہے.... ہم آگے جا کر ان کے بارے میں معلوم کرتے ہیں.... امید ہے.... انہیں واپس لے آئیں گے"۔

"پاگل نہ بنو.... وہ بے چارے تو گئے کام سے.... آپ بھی مر جائیں گے"۔

"نہیں پھنسیں گے"۔

"یہ بات آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں"۔

"اس لیے کہ ہم ہر بات اتنے یقین سے ہی کہتے ہیں"۔ آفتاب مسکرایا۔

"اگر آپ لوگ نہ مانے تو ہمیں پولیس کو بلانا پڑے گا.... پھر پولیس آپ کو گرفتار کر لے گی"۔

"کس جرم کے تحت"۔

"قانون توڑنے کے جرم میں.... یہ قانون ہے کہ اس جگہ سے آگے نہیں جایا جا سکتا.... اور آپ جا رہے ہیں تو آپ نے قانون توڑا یا توڑیں گے"۔

"اس جرم کو عدالت میں ثابت کرنا ہو گا جناب"۔ منور علی تن کر بولے۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں"۔

"بس اس غار کو آخر تک دیکھنا چاہتے ہیں"۔

"نہیں دیکھ سکیں گے.... آج تک اس غار کو مکمل طور پر کوئی نہیں دیکھ سکا.... اگر آگے کوئی گیا تو واپس نہیں آ سکا"۔

"لیکن ہم تو آئے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا ان سے تنگ آ گئے تھے۔

"کیا کہا.... آپ تو آئے ہیں"۔

وہ حیرت زدہ سے رہ گئے اور بری طرح انہیں گھورنے لگے۔

○☆○

عجیب آواز

انہوں نے نظریں اٹھائیں.... پولیس ان کے بالکل سامنے تھی.... اور رائفلیں ان پر تنی تھیں.... انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے اس لیے کہ انہیں بھاگنے کا کوئی راستا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں.... یہ اپنے پولیس والے ہیں نا"۔ زہرہ مسکرائی۔

"ہاں! بالکل"۔ فاروق نے کہا۔

پولیس والے نزدیک آ گئے۔

"اوہ! یہ آپ ہیں"۔

"ہاں! اور اگر آپ لوگوں نے ہمیں فرار کا موقع نہ دیا تو ہم ملک پر ہی نہیں.... پوری دنیا پر ہونے والی اس تباہی کو آنے سے نہیں روک سکے گا.... اس لیے کہ ہمارے والد اور ان کے ساتھی بے فکری سے اس سلسلے میں کام نہیں کر سکیں گے"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"مشکل ہے اس لئے کہ آپ لوگوں کے بارے میں

صاحب نے خاص حکم دیا ہے.... جہاں بھی نظر آئیں گرفتار کر لیا جائے.... جو سستی کرے گا' انہیں فرار کا موقع دے گا.... ان کے ساتھ سخت سلوک کیا جائے گا"۔

"کیا کہا.... پادری صاحب نے"۔

"جی ہاں! شہر کے سب سے بڑے پادری اس وقت ملک کے حکمران بنائے جا چکے ہیں.... اب یہاں صرف ان کا حکم چلے گا.... باقی تمام عہدے داران صرف اور صرف ان کی ہدایات مانیں گے.... اور آپ لوگوں کے بارے میں براہ راست انہی کی ہدایات ہیں"۔

"ٹھیک ہے.... ہم مانتے ہیں.... لیکن اس وقت اسلام کی خاطر.... اپنے ملک کی خاطر اور اپنی قوم کی خاطر ہمیں جانے دیں.... اللہ آپ کا بھلا کرے گا"۔

"وہ اللہ تو بعد میں بھلا کرے گا.... پادری صاحب پہلے ہماری کھال گرا دیں گے"۔

"بھئی انہیں کیا پتا چلے گا.... ان میں سے ایک نے دوسروں سے کہا۔

"تو پھر کیا انہیں نکل جانے دیں"۔ دوسرے نے سوچ کے انداز میں کہا۔

"ہاں! نکل جانے دیں"۔

"اچھا! آپ جائیں.... لیکن ہمیں یاد رکھیں"۔

"فکر نہ کریں.... وقت آنے پر آپ کو حکومت میں ضروری عہدے دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی آپ کو نوازے گا.... اگر آپ لالچ کے تحت نہیں کر رہے"۔

"نہیں! ہم یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کر رہے ہیں"۔

اور پھر انہوں نے اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف دوڑ لگا دی.... واپس کر جانا آسان کام نہیں تھا.... ان حالات میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ وہ خفیہ ٹھکانے پر پہنچے تو سب نے سکون کا سانس لیا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے.... شہر پر تو بڑے پادری کی حکومت قائم ہو چکی ہے.... بلکہ شہر پر نہیں.... پورے ملک پر"۔

"آج رات ہم غور کریں گے.... صبح اپنی اپنی تجاویز پیش کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ ٹھیک رہے گا"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن تم یہ سن کر اس قدر خوش کیوں ہو گئے؟" محمود نے اسے گھورا۔

"اس لیے کہ کم از کم آج رات تو آرام نصیب ہو رہا ہے۔ آئندہ نہ جانے کتنی مدت تک ہمیں آرام کا لفظ سننے کو بھی نہیں ملے گا"۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں"۔

"اچھا کہہ رہے ہوں گے.... کان نہ کھاؤ اور آرام کی سوچو"۔

"آرام کے ساتھ غور کرنے کی"۔ انسپکٹر جمشید نے اسے ٹوکا۔

وہ رات واقعی انہوں نے سوتے اور غور کرتے گزار دی.... ریڈیو اور ٹی وی تمام وقت چالو رکھے گئے تھے.... تاکہ حکومت کے اعلانات ان کے علم میں آتے رہیں.... سارے شہر میں تمام رات ان کی تلاش ہوتی رہی تھی.... صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو ٹی وی پر بڑے پادری کی تقریر کا اعلان نشر ہوا۔

ابھی وہ ناشتا کر رہے تھے کہ پادری ٹی وی پر نظر آیا.... اس نے تقریر شروع کی۔

"میرے ہم وطنو! آج سے میں تمہارا حکمران ہوں.... اپنے نئے حکمران کو خوش آمدید کہو.... اور یہ بات جان لو کہ یسوع مسیح کا نزول ہو چکا ہے.... تمام آسمانی کتابیں اس طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جب مسیح دوبارہ آئے گا تو دنیا میں صرف اور صرف ایک مذہب ہو جائے گا.... باقی تمام مذہب باطل ہو جائیں گے اور اب آپ لوگ دیکھ رہے ہیں.... دنیا بھر کے ممالک کس تیزی سے عیسائیت قبول کر رہے ہیں.... آپ سب کو بھی عیسائیت کی دعوت دے رہا ہوں.... عیسائیت کے جھنڈے تلے آ

جائیں.... آپ کو کچھ نہیں ہو گا.... لیکن جو لوگ عیسائیت قبول نہیں کریں گے.... ان پر پتھروں کی بارش ہو گی.... اگر آپ لوگ پتھروں کی بارش پسند کرتے ہیں تو ضرور اسلام پر ڈٹے رہیں.... پھر آپ لوگ مرنے سے پہلے دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا.... وہ تو ان پتھروں سے بچے رہیں گے.... اور باقی لوگ تباہ ہو جائیں گے.... آپ سب ناشتے کے فوراً بعد شہر کے سب سے بڑے میدان میں جمع ہو جائیں.... میں وہاں آ رہا ہوں.... اور چند ضروری اعلانات وہاں کیے جائیں گے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ سکرین پر سے غائب ہو گیا۔

ناشتے کے بعد سب لوگ میدان میں جمع ہونے لگے.... ا[illegible] میں سے انسپکٹر جمشید نے میک اپ کیا اور میدان کی طرف [illegible] ہوئے.... باقی لوگوں کو انہوں نے سختی سے روک دیا تھا کہ ان [illegible] ٹھکانے سے ہرگز باہر نہ نکلیں.... وہ جب میدان میں پہنچے تو وہاں [illegible] قدر ہجوم تھا کہ وہ پریشان ہو گئے.... ان کا دل ہل گیا.... ان کے [illegible] سے آواز نکلی۔

"یا الٰہی.... یہ کیا ہو رہا ہے.... اسلام کی حفاظت کرنا"۔

"عین اسی وقت نقارہ بجنے کی آواز سنائی دی.... پتا چلا.... [illegible] صاحب تشریف لا رہے ہیں.... اس کے لیے بہت اونچا سٹیج بنایا [illegible]

[illegible] جلد ہی وہ اس سٹیج پر نظر آیا.... اس پادری کو وہ پہلے بھی کئی [illegible] میں دیکھ چکے تھے.... آتے ہی اس نے کہنا شروع کیا۔

"یہ بات تو آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم یہاں عیسائیت کی تبلیغ کتنی مدت سے کر رہے تھے.... اور چند سالوں سے تو ہم نے اپنا کام حد درجے تیز کر دیا تھا.... لیکن یہ ہمیں بھی معلوم نہیں تھا کہ اس طرح یسوع مسیح نازل ہو جائیں گے.... پوری دنیا ان کے تابع ہو جائے گی.... یہ خداوند عالم کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دور میں انہیں نازل فرمایا.... اس لحاظ سے ہم خوش قسمت ہیں.... آپ لوگ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سچ کیا ہے.... اور جھوٹ کیا ہے.... ابھی آپ کو تھوڑی سی جھلک بھی دکھا دی جائے گی.... مثال کے طور پر چند باغی کسی جگہ چھپ گئے ہیں.... وہ ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے.... رات ایک جگہ سے فرار ہوتے وقت ہماری پوری پولیس نے انہیں گھیر لیا تھا.... لیکن ان سب کو نہیں.... وہ ان میں سے صرف دو تھے.... لیکن پولیس کے چند لوگوں نے حکومت سے غداری کی.... اپنے فرض کو بھول گئے.... اور انہیں چھوڑ دیا.... حالانکہ اگر انہیں گرفتار کر لیتے تو ان کے باقی ساتھیوں کا پتا ان دونوں سے

فوراً اگلوا لیا جاتا۔۔۔ میں اعلان کرتا ہوں۔۔۔ ان دو کو جن
پولیس والوں نے فرار کا موقع دیا۔۔۔ وہ اس بھرے مجمع میں
اپنے ہاتھ کھڑے کر دیں۔۔۔ ورنہ ان کے ساتھ کوئی نرمی
نہیں کی جائے گی۔۔۔ ان کی موت اس قدر بھیانک ہو گی کہ
آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے"۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔۔۔ سب لوگ ایک دوسرے
طرف دیکھنے لگے، لیکن کسی نے بھی ہاتھ اوپر نہ اٹھائے۔۔۔ تھوڑی
تک انتظار کے بعد پادری کی آواز پھر سنائی دی۔

"اچھا تو وہ سامنے نہیں آئیں گے۔۔۔ اب اس مجمع میں ان
ہاتھ بھی اوپر اٹھواتا ہوں۔۔۔ میں اپنے علم کے ذریعے انہیں مجبور کر
گا۔۔۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھ جائیں گے"۔

یہ کہہ کر وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔۔۔ ادھر مجمع میں
آٹھ کے ہاتھ اوپر اٹھنے لگے۔۔۔ میدان میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔۔۔
تک ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"بہت خوب۔۔۔ تو ہاتھ اٹھ گئے۔۔۔ ان لوگوں کو
جائے۔۔۔ یہ مجھ تک آئیں گے۔۔۔ اور اپنے گلے اپنے ہاتھوں
گھونٹیں گے"۔

"نن۔۔۔ نہیں"۔ مجمع چلایا۔

"کیا کہا۔۔۔ نہیں۔۔۔ یعنی باقی لوگوں کو ان سے ہمدردی ہے

پھر اوپر دیکھو۔۔۔ اپنے سر کی طرف"۔

ان سب نے اوپر دیکھا۔۔۔ ایک بڑا پتھر چلا آ رہا تھا۔

"ارے باپ رے"۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

"خبردار۔۔۔ کوئی کہیں نہ جائے۔۔۔ یہ پتھر پورے شہر سے زیادہ بڑا
ہے۔۔۔ بھاگ کر کہاں جاؤ گے اور پھر یہ پتھر صرف ان لوگوں کے لیے
آیا ہے۔۔۔ ابھی سب کے سروں پر آ کر تک جائے گا۔۔۔ لیکن گرے گا
صرف ان کے سروں پر۔۔۔ انہیں پکڑ لیا جائے اور جنگل میں درختوں
سے انہیں باندھ دیا جائے۔۔۔ یہ پتھر میں صرف ان پر گراؤں گا۔۔۔ باقی
لوگ شہر میں رہیں گے۔۔۔ ہاں جو لوگ مسلمان رہنے کا ارادہ رکھتے
ہوں۔۔۔ وہ ان کے ساتھ آ کر شامل ہو جائیں۔۔۔ جو عیسائیت قبول کر
چکے ہیں۔۔۔ وہ اس پتھر سے محفوظ رہیں گے"۔

"ہم عیسائی ہوئے۔۔۔ ہم عیسائی ہوئے"۔ مجمع چلایا۔

"جن لوگوں کو مسلمان رہنے کا دعویٰ ہے۔۔۔ وہ آگے آ
جائیں"۔

"مجمع میں دس کے قریب آدمی آگے آ گئے"۔

"تو تم عیسائیت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو"۔

"ہاں بالکل نہیں۔۔۔ اس لیے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو
میری شریعت پر عمل کریں گے۔۔۔ میرا کلمہ پڑھیں گے۔۔۔ اور اسلام کا

بول بالا کریں گے.... اور دجال کا بھی ظہور اسی زمانے میں ہو گا.... وہ لوگوں کو بہکائے گا.... تم جس مسیح کی بات کر رہے ہو.... دراصل وہ کوئی دجال ہے"۔ ان میں سے ایک نے کہا' وہ عالم نظر آتا تھا۔

"اگر وہ دجال ہے تو پھر اس زمانے میں یسوع مسیح بھی موجود ہونا چاہیے.... وہ کہاں ہیں؟" پادری نے ہنس کر کہا۔

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ دجال نہیں"۔ عالم بولا۔

"تمہارے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا.... اڑھائی ہزار سال پرانی کتاب جو دنیا کے سب سے طویل غار سے ملی ہے.... اس میں کہا گیا ہے کہ یسوع مسیح آئیں گے.... اور جو ان پر ایمان نہیں لائیں گے.... ان پر پتھر برسیں گے.... اب دیکھ لیں.... پتھر برس رہے ہیں.... نہیں.... یہ پتھر جن پر گرے گا.... وہ غلط راستے پر ہوں گے.... ورنہ پتھر ان لوگوں پر گرنا چاہیے.... اسی لیے میں تم لوگوں کو ان سب لوگوں سے الگ کر رہا ہوں.... اور جنگل میں بند ہوا رہا ہوں.... تاکہ سب دیکھ لیں.... حق پر کون ہے.... اور گمراہ کون ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی! ہم مر تو سکتے ہیں.... اپنا ایمان نہیں کھو سکتے"۔

"ان سب کو جنگل میں لے جایا جائے.... پھر سب لوگ دیکھ لیں.... یہ پتھر جو ہمارے سروں پر قائم ہے.... کس طرف ہوتا ہے.... آخر وہ کون سے طاقت ہے.... جو اتنے بڑے پتھر کو فضا میں روکے

ہوئے ہے.... صاف ظاہر ہے.... یہ خداوند یسوع مسیح کی طاقت ہے.... اب بھی وقت ہے.... اس طاقت کے آگے جھک جاؤ.... ورنہ پتھر کے نیچے دب جاؤ گے"۔

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو اور گنتی کے چند مسلمانوں نے جب اسلام قبول کر لیا تھا تو کافر اس وقت بھی اسی قسم کی دھمکیاں دیا کرتے تھے.... تو پھر.... کیا صحابہ کرامؓ ان کی دھمکیوں میں آ گئے.... انہوں نے جانیں تو دے دیں.... اسلام کو نہیں چھوڑا.... آج بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے.... لہٰذا ہم عیسائیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے.... یہ لوگ عقل سے پیدل ہیں.... جو آنکھوں دیکھی موت سے بھی بچنے کی کوشش نہیں کر رہے.... اب دیر نہ کرو"۔

انہیں گھیرے میں لے لیا گیا.... سارا مجمع جنگل کی طرف چلا.... جنگل اس میدان کے دوسری طرف تھا.... جنگل کے بیچوں بیچ جا کر انہیں درختوں سے باندھ دیا گیا.... ان میں وہ پولیس والے بھی تھے.... جنہوں نے فاروق اور فرزانہ کو نکل جانے کی اجازت دی تھی.... لیکن ان کے چہروں پر موت کا خوف نہیں تھا.... نہ ہی دوسرے مسلمانوں کے چہروں پر تھا.... ہاں ان کے چہروں پر ضرور تھا.... جو صرف تماشا دیکھنے جا رہے تھے۔

"اب سب لوگ درختوں سے باہر نکل آئیں.... پتھر درختوں پر

گرے گا.... ویسے یہ جنگل ہمارے شہر سے بھی بڑا ہے"۔

سب لوگ وہاں سے ہٹتے چلے گئے.... جونہی وہ جنگل کی حد سے نکلے.... پتھر نیچے آنے لگا.... ساتھ ہی وہ جنگل کی طرف بھی بڑھ رہا تھا.... آنکھوں میں خوف اور بڑھ گیا.... دلوں کے دھڑکنیں تیز ہونے لگیں.... اور پھر گویا ان کے دل دھڑکنا بھول گئے.... پتھر جنگل پر گر رہا تھا.... درختوں کے ٹوٹنے کی اور چرمر ہونے کی بے شمار اور عجیب و غریب آوازیں گونج اٹھی اور پھر خاموشی چھا گئی.... ایسے میں پادری کی آواز فضا میں ابھری:

"شہر کے مشرقی حصے کے بہت سے لوگ اس جگہ نہیں آسکے۔ یسوع مسیح کی طاقت نے مجھے خبر کر دی ہے.... اور آج شام ان پر پتھروں کی بارش ہو گی.... ان میں سے جو عیسائیت قبول کرنے کی نیت کریں گے.... وہ پتھروں سے بچ پائیں گے.... باقی مر جائیں گے"۔

اس اعلان کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام سے پہلے پہلے لوگوں نے شہر کا مشرقی حصہ خالی کر دیا.... اور چلاتے ہوئے ایوان صدر کی طرف آئے.... وہ چیخ رہے تھے۔

"ہم نے عیسائیت قبول کی.... قبول کی.... قبول کی"۔

اور پھر لوگوں نے دیکھا.... مشرقی حصے پر پتھروں کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی.... اس قسم کی بارش انہوں نے زندگی میں پہلی دیکھی.... دوسری صبح سب لوگوں نے مشرقی حصے میں جا کر دیکھا تو

تباہی کا عجیب منظر نظر آیا.... شہر کا وہ حصہ اب ملبہ کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی زمانے میں یہاں کوئی شہر آباد تھا.... اب تو وہ لوگ بھی عیسائیت پر ایمان لے آئے.... جو جھوٹ موٹ کے عیسائی بنے تھے.... انہوں نے بھی پادری کے پاس جا کر اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔

اس وقت پادری نے اعلان کیا۔

"لیکن.... ابھی کچھ باغی شہر میں کہیں چھپے ہوئے ہیں.... چونکہ وہ تم لوگوں کے درمیان چھپے ہوئے ہیں.... اس لیے پتھروں کا نشانہ نہیں بن رہے.... جونہی وہ نظر آئیں.... انہیں پکڑ کر میرے پاس لے آنا"۔

انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں نے یہ اعلان سنا.... وہ سب حد درجہ فکرمند نظر آ رہے تھے۔

"اب کیا ہو گا جمشید.... یہ تو سارا ملک عیسائی بن جائے گا اس طرح"۔

"اصل مسئلہ ان پتھروں کا ہے.... ہم ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ پتھروں کی بارش کیسے ہو رہی ہے.... شہر سے بڑا پتھر کس طرح نیچے آ گرتا ہے.... یہ کام آخر انسانی ہاتھوں سے کیسے ہو سکتا ہے.... اللہ کا عذاب ہم مان نہیں سکتے.... اس لیے کہ اللہ کا عذاب مسلمانوں پر نہیں آ سکتا.... کافروں پر آیا کرتا ہے.... اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مطابق۔۔۔ کافر یہ عیسائی لوگ ہیں۔۔۔ یہودی لوگ ہیں۔
ہم نہیں"۔ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"یہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ ہم مانتے ہی ہیں۔۔۔ سوال تو یہ ہے کہ اب
کیا کریں؟"

"ہمیں سفر کرنا ہو گا۔۔۔ یہاں سے راتوں رات نکلنا ہو گا۔۔۔ پھر
آپ لوگوں کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا کر ہم اس مہم پر روانہ ہو
گے"۔

"لیکن تم کہاں جاؤ گے۔۔۔ ہمیں کہاں چھوڑ جاؤ گے"۔ آئی جی
بولے۔

"یہ ہم پروفیسر داؤد سے مشورہ کریں گے۔۔۔ کسی کو نہیں پتا
جائے گا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں"۔ انہوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے"۔

اور پھر رات کے وقت انہوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ پوری
رات وہ چلتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک جگہ سے سرحد
عبور کی۔۔۔ اس جگہ فوجی موجود نہیں تھے۔۔۔ اور یہ انسپکٹر جمشید کی
معلومات کی بنا پر ہوا۔

اب وہ ایک پہاڑی شہر میں پہنچے۔۔۔ وہاں کے لوگ بہت محنتی اور
جفاکش نظر آ رہے تھے۔۔۔ پہاڑوں میں مکان بنا کر رہتے تھے۔

"یہ ایسی بستی ہے جہاں پتھروں کی بارش بھی کچھ نہیں بگاڑ

سکتی"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن یہ لوگ ہمیں مہمان کیوں بنانے لگے"۔ آئی جی بولے۔

"بس دیکھتے جائیں"۔

انسپکٹر جمشید نے یہ کہہ کر اپنے منہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھے اور
بہت بلند آواز نکالی۔۔۔ وہ آواز عجیب سی تھی۔۔۔ لہردار اور بہت طویل۔

دوسرے ہی لمحے انہوں نے مقامی لوگوں کو اپنی طرف دوڑ کر
آتے دیکھا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ کیا یہ حملہ کرنے آ رہے ہیں"۔ خان
رحمان بولے۔

"بس دیکھتے جائیں"۔

قدرے نزدیک ہونے پر انہوں نے دیکھا۔۔۔ سب پہاڑی لوگ
نیزے، بھالے، اور تیر کمان وغیرہ اٹھائے ہوئے تھے۔۔۔ ان کے چہروں پر
دل دہلا دینے والے آثار تھے۔

○☆○

ڈیڈ آگیا

بین کی ہلکی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔۔۔ اس میں مٹھاس
تھی۔۔۔ نیند طاری کر دینے والی کیفیت سی تھی۔۔۔ لیکن جو لوگ گہری
نیند سوئے ہوئے تھے۔۔۔ یہ آواز انہیں جگانے کا کام کر رہی تھی۔۔۔
سوئے ہوئے مردوں میں سے ایک میں حرکت کے آثار نمودار ہوئے۔
"مم۔۔۔ میں۔۔۔ یعنی کہ ہم۔۔۔ کہاں ہیں۔۔۔ یہ کون سی
ہے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو جنت ہے۔۔۔ یہ نہر بہ رہی ہے۔۔۔ ہر طرف
سبزہ ہی سبزہ ہے۔۔۔ اور سکون ہی سکون ہے۔۔۔ پرندے چہچہا رہے
ہیں۔۔۔ یہ آواز کیسی ہے۔۔۔ جیسے بانسری کی ہوتی ہے۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔
تو کسی بین کی آواز ہے۔۔۔ میں اسے بانسری کی آواز سمجھ بیٹھا تھا۔۔۔
مزا آگیا۔۔۔ آخر اللہ نے مجھے جنت عطا کر دی۔۔۔ اور۔۔۔ اور میرے
بھائی۔۔۔ وہ کہاں ہیں۔۔۔ انہیں بھی تو میرے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔
انہوں نے بھی تو اسلام کی خاطر جان دی تھی، نام و نمود کے لیے
نہیں۔۔۔ بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے۔۔۔ انہوں نے انکار کیا تھا۔
لہٰذا انہیں بھی میرے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ یہ پڑے

ہیں۔۔۔ میرے دائیں بائیں۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ تو گہری نیند میں مبتلا ہیں"۔
"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں اب نیند میں نہیں ہوں۔۔۔ بھائی جان۔۔۔
میں نے آپ کی سب باتیں پورے ہوش اور حواس میں سنی ہیں۔۔۔ میں
بند کے زور کے آنکھیں نہیں کھول رہا تھا کہ پتا نہیں۔۔۔ ہم کہاں ہیں۔۔۔
جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔۔۔ اس لیے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔۔۔
لیکن اب جب کہ آپ نے منظر نامہ بیان کر دیا ہے تو یہ ضرور جنت ہی
ہے۔۔۔ یوں بھی دوزخ میں اس قدر ٹھنڈی اور میٹھی ہوا کا کیا کام"۔
رفعت کی آواز سنائی دی۔
"اور میں بھی جاگ چکا ہوں۔۔۔ خدا کا شکر ہے۔۔۔ اس نے ہمیں
جنت دے دی"۔ اشفاق کی آواز سنائی دی۔
"میری ابھی ابھی آنکھ کھلی ہے۔۔۔ لیکن"۔ اخلاق نے گھبرا کر
کہا۔
"لیکن کیا؟"
"اگر ہم مر چکے ہیں۔۔۔ اور یہ جنت ہے۔۔۔ تو قیامت کا دن
نہیں گیا۔۔۔ حساب کتاب کا دن"۔
"بھئی ہم اللہ کے راستے میں شہید ہوئے ہیں۔۔۔ شہیدوں کا
حساب کتاب نہیں ہوتا"۔ رفعت کی آواز ابھری۔
"ارے رفعت بہن۔۔۔ تم بھی ساتھ ہی ہو۔۔۔ یہ اور اچھا ہوا۔۔۔
جنت میں دل نہیں گھبرائے گا۔۔۔ بہلا رہے گا"۔

"کیسی بات کرتے ہو.... جنت میں بھی کہیں گھبراہٹ ہو
ہے"۔

"ارے.... ہمارے ماں باپ.... آخر یہاں صرف ہم ہی
ہیں"۔

"تم لوگ نہر میں بہتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے میرے
ایک بوڑھی آواز سنائی دی۔

انہوں نے چونک کر دیکھا.... دروازے میں ایک سفید بال
بوڑھا کھڑا تھا۔

"آپ.... آپ کون ہیں.... جنت کے داروغہ"۔

"ارے نہیں.... یہ جنت نہیں.... ہاں جنت جیسی خوبص
ایک وادی ضرور کہہ سکتے ہو تم اسے"۔

"ہائیں.... یہ جنت نہیں.... دھت تیرے کی.... اس کا مطلب
ہے.... ہم ابھی مرے نہیں"۔

"نہیں.... تم ابھی دنیا میں ہی ہو.... لیکن تم اس نہر میں کیا
رہے تھے؟"

"پہلے یہ بتائیں.... آپ کون ہیں.... اور یہ کون سی جگہ ہے"

"یہ جالستان ہے.... جالستان کا ایک سرحدی علاقہ"۔

"اوہ.... کیا یہ نہر.... پاک لینڈ سے آئی ہے"۔

"ہاں! یہ پہاڑی ندی ہے.... پہاڑوں میں بہ کر آئی ہے"۔

"اوہ! تب تو ٹھیک ہے.... دراصل ہم پاک لینڈ کے رہنے والے
ہیں"۔

"وہ تو میں سمجھتا ہوں.... لیکن تم ندی میں کیوں بہ رہے تھے"۔

"پہلے آپ بتائیں.... آپ مسلمان ہیں یا...."

"اللہ کا شکر ہے.... میں مسلمان ہوں"۔

"ہوں ٹھیک ہے.... ہم بھی مسلمان ہیں.... اس طرف وہ فتنہ
نہیں شروع ہوا اب تک"۔

"پتھر برسنے والا"۔

"ہاں ہمارا اشارہ اسی طرف ہے"۔

"شروع ہو چکا ہے.... اب ہمارے ملک میں بھی عیسائیت کا راج
ہے.... اور بھی کئی ملکوں میں لوگ عیسائی ہو چکے ہیں.... بے شمار
جگہوں پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے.... کبھی کسی شہر پر پتھر برسنے لگتے
ہیں.... تو کبھی کسی شہر پر.... آس پاس کے لوگ فوراً ہی عیسائی ہو جاتے
ہیں"۔

"اف مالک! اس طرح تو پوری دنیا عیسائی ہو جائے گی.... کس
قدر خوفناک منصوبہ ہے ان کا"۔

"منصوبہ!!" بوڑھا حیران ہو کر بولا۔

"ہاں! یہ کوئی منصوبہ ہی تو ہے.... حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آکر
لوگوں کو مسلمان کریں گے.... عیسائی اور یہودی ان کے ہاتھوں پر اسلام

لے آئیں گے.... جب کہ اب الٹ ہو رہا ہے.... ہمارے نبی کریم کی کوئی پیش گوئی غلط نہیں ہو سکتی.... لہٰذا ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل نہیں ہوئے.... ان کے نازل ہونے کی خاص نشانیاں حضورت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں.... احادیث کی کتابوں میں وہ موجود ہیں.... ان کی روشنی میں ہم یہ بات یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ان لوگوں کا ایک جال ہے.... پوری دنیا کو عیسائی بنانے کے لیے"۔

"تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں"۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں.... ہماری ساتھی دو پارٹیاں اس وقت نجانے کس جگہ اس کیس پر کام کر رہی ہوں گی.... کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے.... لیکن خیر.... ہم ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ جائیں گے.... ہم اپنی سی کوشش ضرور کریں گے.... چاہے ہمیں ایک فیصد بھی کامیابی نہ ہو"۔

"تم.... تم تو بچے ہو.... تم کیا کر لو گے بھلا.... اور یہ تم کن دو پارٹیوں کا ذکر کر رہے ہو"۔

وہ انہیں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے بارے میں بتانے لگے.... پھر وہ بولے۔

"ہم سفر کرنا چاہتے ہیں.... جیسے بھی ہو.... آپ ہمیں دنیا کا ایک نقشہ کہیں سے لا کر دے سکتے ہیں"۔

"ہاں! میں یہ کام کر سکتا ہوں.... لیکن مجھے بہت دور جانا پڑے گا اور خود کو عیسائی ظاہر کرنا ہو گا"۔

"تو پھر اسلام کے لیے یہ کام ضرور کریں.... اللہ تعالیٰ آپ کو یقیناً اس کا بہت اجر عطا فرمائے گا"۔

"اسلام کے لیے جان حاضر ہے.... تم فکر نہ کرو"۔

دوسرے دن وہ بوڑھے سے رخصت ہوئے.... انہوں نے اپنے لیے ایک راستے طے کر لیا تھا.... فی الحال راستہ پیدل کا تھا.... لیکن اس بات کا بھی امکان تھا کہ انہیں راستے میں کسی گاڑی سے لفٹ مل جائے.... اور وہ اس طرح گاڑیاں بدلتے بدلتے اس مقام تک پہنچ جاتے.... لیکن فی الحال یہ ایک خواب تھا.... وہ اس خواب کے سہارے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہیں سکتے تھے.... لہٰذا سفر کر رہے تھے۔

وہ چلتے رہے.... چلتے رہے.... کئی دن بعد ایک جگہ انہیں ایک گاڑی سڑک کے نیچے کھڑی نظر آئے.... ایک عورت اور ایک مرد گاڑی کا انجن کھولے اسے ٹھیک کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے نظر آتے.... ان کے دل دھڑکنے لگے.... خواب پورا ہوتا نظر آیا۔

"کیا ہم آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں؟"

وہ بے خیالی کے عالم میں ان کی طرف دیکھنے لگے.... پھر مرد نے کہا۔

"آپ کو انجن کی کوئی سوجھ بوجھ ہے"۔

"ہاں! اچھی بھلی"۔

"تم پھر دیکھے اسے"۔

"لیکن ہماری ایک شرط ہے"۔

"چلئے شرط بھی بتا دیں"۔ وہ مسکرایا۔

"آپ جا کہاں رہے ہیں"۔

"شاہراہ فردوس تک"۔

"آپ کو ہمیں وہاں تک لفٹ دینا ہو گی"۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آپ نہ بھی کہتے تب بھی، آپ کو ضرور ساتھ لے جاتے"۔

"شکریہ! اب آپ ایک طرف ہٹ جائیں"۔

شوکی نے کار کے انجن کو چیک کرنا شروع کیا.... جاسوسی سے پہلے وہ ایک موٹر ورکشاپ میں کام کرتا رہا تھا.... آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد وہ گاڑی سٹارٹ کرنے میں کامیاب ہو گیا.... مرد اور عورت کے چہروں پر رونق آ گئی.... گاڑی بڑی تھی.... وہ اس میں آسانی سے سما گئے.... اس طرح وہ شاہراہ فردوس تک پہنچے.... اور اس طرح وہ لفٹ پر لفٹ لیتے اور کچھ پیدل چلتے آخر کار ایک دن فلسطین کی سرزمین میں داخل ہوئے.... یہاں ہر طرف عیسائی ہی عیسائی نظر آ رہے تھے.... یا پھر یہودی بھی نظر آ رہے تھے.... لیکن شاید وہ یہودی بھی اب صرف شکل اور صورت یا لباس کے لحاظ سے رہ گئے تھے.... وہ بھی اپنی شناخت

کے لیے.... ورنہ وہ بھی عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے.... کیونکہ انہوں نے انہیں بھی گرجوں میں داخل ہوتے اور نکلتے دیکھا.... انہوں نے بھی اپنی وضع قطع عیسائیوں جیسی پہلے ہی بنا لی تھی.... راستے میں وہ جہاں کے چھوٹے موٹے کام کر کے کچھ پیسے بھی بناتے رہے تھے.... اور ان پیسوں سے انہوں نے عیسائی لباس خرید لیے تھے.... لہٰذا ان کی طرف کسی نے شک کی نظر سے نہیں دیکھا تھا.... انہوں نے لائبریری کا پتہ پوچھا اور اس طرف چل پڑے۔

"کچھ پتا بھی ہے.... ہمارے پاس پیسے بہت کم رہ گئے ہیں"۔ شوکی بولا۔

"تب پھر پہلے پیسوں کا بندوبست کرنا چاہیے.... کوئی محنت مزدوری کر لیتے ہیں"۔

"محنت مزدوری میں بہت وقت خرچ ہو گا.... لہٰذا کسی عیسائی یا یہودی کی جیب صاف کر دیتے ہیں"۔

"اگر پکڑے گئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے"۔ مکھن نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں پڑیں گے.... بہت زیادہ صفائی سے ہاتھ صاف کروں گا"۔ شوکی مسکرایا۔

"چلئے! آپ کی مرضی"۔ اخلاق بولا۔

"اس کام کے لیے کوئی اچھا سا ہوٹل بہتر رہے گا.... وہاں مال

دار لوگ آتے ہیں۔۔۔ کسی کے پھولے ہوئے بٹوے کو نظر میں رکھ
گے اور پھر موقع ملنے پر پار کر جائیں گے"۔

"ترکیب بری نہیں"۔ لکھن مسکرایا۔

وہ ایک ہوٹل میں جا بیٹھے۔۔۔ جلد ہی بیران ان کے سر پر
ہوا۔

"چائے اور پانچ برگر"۔

"بہت بہتر جناب"۔

وہ برگر کھانے کے ساتھ ساتھ ہوٹل کے ہال کا جائزہ بھی
رہے۔۔۔ اچانک شوکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔۔۔ اس نے
آواز میں کہا۔

"اب شاید ہمیں چوری نہ کرنا پڑے"۔

"کیا مطلب؟"

"ہوٹل کے ہال میں میں نے ایک منظر دیکھا ہے۔۔۔ ایک
ٹھہرو"۔ یہ کہ کر وہ اٹھا اور دوڑ کر ایک میز کے پاس جا کھڑا ہوا۔
میز پر ایک موٹا سا آدمی بیٹھا مرغ کی ٹانگ چچوڑ رہا تھا۔۔۔ ایسے میں
کی نظر شوکی پر پڑ گئی۔

"کیا ہے۔۔۔ جاؤ بھاگو۔۔۔ میں بھوکوں کو کھانا کھلانا کا عادی
ہوں"۔

شوکی کا منہ بن گیا۔۔۔ اس نے سوچا۔۔۔ یہ تو بہت کنجوس

ہے۔۔۔ پھر بھی اس نے مسکرا کر کہا۔

"میں بھکاری نہیں ہوں"۔

"تو پھر۔۔۔ کیا ہو؟"

"نجومی! آپ کو ایک پتے کی بات بتا سکتا ہوں۔۔۔ چند منٹ کے
اندر اندر آپ بہت بڑی پریشانی میں مبتلا ہو سکتے ہیں"۔

"کیا مطلب؟"

"جب پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے تو مطلب آپ کی سمجھ میں
خود بخود آ جائے گا۔۔۔ کیا سمجھے؟"

"خاک بھی نہیں سمجھا۔۔۔ کچھ سمجھاؤ بھی تو"۔

"جتنی بات سمجھا سکتا تھا۔۔۔ سمجھا چکا ہوں۔۔۔ مزید سمجھنے کے
لیے آپ کو میری فیس ادا کرنا پڑے گی"۔ یہ کہ کر شوکی اپنی میز کی
طرف مڑ گیا اور قدم اٹھانے لگا۔

"اے۔۔۔ سنو"۔

لیکن اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔۔۔ اور میز پر جا بیٹھا۔

"کیا رہا؟"

"وہ بہت کنجوس ہے۔۔۔ لیکن میں دانا ڈال آیا ہوں۔۔۔ کنجوس نہ
ہوتا تو اسی وقت اسے بات بتا کر اپنی فیس وصول کر چکا ہوتا"۔

"فیس۔۔۔ کیسی فیس؟"

"نجومی ہونے کی۔۔۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ وہ چند منٹ کے

اندر بہت بڑی پریشانی میں مبتلا ہونے والا ہے"۔

"اوہ.... کیا واقعی"۔

"ہاں! تم دیکھ ہی لو گے"۔

ایسے میں اس موٹے آدمی نے بیرے کو اشارہ کیا اور اس کے نزدیک آنے پر بولا۔

"بل لے آؤ"۔

"او کے سر"۔ اس نے کہا اور چلا گیا.... ایک منٹ بعد وہ بل لے کر اس کے نزدیک آ گیا.... موٹے نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"ارے!" ساتھ ہی اس چہرے پر ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔

"کیا ہوا جناب؟"

"کسی نے میری جیب.... اوہ.... وہ رہا"۔ وہ چلایا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں! ابھی ابھی یہی لڑکا میرے پاس آیا تھا.... اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں چند منٹ بعد ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہوں.... اور واقعی میں ہو گیا.... میرے بٹوے میں قریباً پچاس ہزار ڈالر تھے"۔

"ارے باپ رے.... اتنی بڑی رقم"۔ بیرا گھبرا گیا۔

"ہاں! بٹوہ ملنے پر میری بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ اس میں

اتنی بڑی رقم ہے یا نہیں اور میرا چور وہ ہے.... وہ لڑکا"۔

"مکھن! وہ دبلا پتلا آدمی ہوٹل سے باہر جا رہا ہے نا.... اسے کسی طرح ہوٹل سے جانے نہ دو"۔ شوکی نے دبی آواز میں کہا۔

"مم.... میں کس طرح روکوں"۔ مکھن گھبرا گیا۔

"بھئی جیسے بھی روک سکتے ہو روک لو"۔

"جی اچھا"۔ اس نے کہا اور اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف چلا۔

"وہ.... اس کا ساتھی لڑکا اٹھ کر فرار ہو رہا ہے.... گویا میرا پرس لے کر فرار ہو رہا ہے"۔

مکھن اور پریشان ہو گیا.... وہ فوراً رک گیا اور بولا۔

"یہ غلط ہے.... ہم چور نہیں ہیں.... اے جناب.... آپ ہوٹل سے باہر ہرگز نہ جائیں ابھی"۔ مکھن کی آواز میں ایسی گھبراہٹ تھی کہ دبلا پتلا آدمی چونک کر مڑا.... کیونکہ اس کے علاوہ اس وقت کوئی بھی باہر نہیں جا رہا تھا.... ہال میں ایک عجیب صورت حال پیدا ہو چکی تھی.... باہر کون جاتا.... صرف وہ جا رہا تھا۔

"کیوں! میں کیوں باہر نہ جاؤں"۔

"اگر آپ اس وقت باہر جانے کی کوشش کریں گے تو آپ پر بھی چوری کا شک کیا جائے گا.... ہم بے چارے تو شک کی زد میں آ ہی گئے ہیں"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کہا اس لیے.... میں کیوں شک کی زد میں آنے لگا"۔

"بالکل آ گئے ہیں.... لوگوں کی آنکھوں میں دیکھ لیں.... لیکن اگر یہ صاحب ہوٹل سے
میں واپس اپنے میز کی طرف چلا.... لیکن اگر یہ صاحب ہوٹل سے
گئے تو پھر ہم ذمے دار نہیں ہوں گے ہاں"۔

"اے جناب! آپ بھی ذرا اپنی میز پر تشریف رکھیں، ابھی
لوگوں کے پاس سے بٹوہ نکل آئے گا تو پھر آپ چلے جائیے گا"۔

"ہاں ٹھیک ہے"۔ ہال میں سے کئی آدمی ایک ساتھ بولے۔

"لیکن مجھے بہت جلدی ہے.... ایک ضروری کام سے جانا ہے"۔

"اوں! چند منٹ کی تو بات ہے.... رک جائیے پلیز.... ورنہ
لوگ کہیں گے.... جو آدمی ہوٹل سے چلا گیا.... چور تو وہ تھا.... اور
ہمیں جا رہا ہے"۔

"بالکل! ہم تو یہی کہیں گے"۔ مکھن نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے.... میں بیٹھ جاتا ہوں"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! اب ٹھیک ہے"۔ مکھن اپنی میز کی طرف پلٹ آیا۔

"اب ان کی تلاشی لی جائے"۔

"ضرور لے لیں"۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ہال میں ایک خوفناک آواز گونجی.... سب نے مڑ کر دیکھا
ایک بہت موٹا اور چھوٹے قد کا آدمی گیند کی طرف لڑھکتا چلا

تھا۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آتی تھی۔

شوکی برادرز نے لوگوں کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھے۔

"ارے باپ رے.... ڈیڈ.... آ گیا ڈیڈ"۔ کسی نے دبی آواز میں
ان کی میز کے پاس کہا۔

"ڈیڈ.... یعنی باپ آ گیا.... لیکن کس کا ڈیڈ؟"

"اس ہوٹل کا"۔ مکھن نے منہ بنایا۔

"اے بھائی.... یہ کس کا ڈیڈ ہے"۔ اشفاق نے پاس سے
گزرتے بیرے سے پوچھا۔

"یہ ہوٹل کے مالک ہیں.... شہر کے مشہور آدمی ہیں.... ان کا
نام ہے.... ڈیڈ"۔

"اچھا نام ہے.... پسند آیا.... نام ہو تو ایسا"۔ مکھن نے خوش ہو
کر کہا۔

ان صاحب کا کہنا ہے کہ ان کا پرس چوری ہوا ہے.... اور پرس
ان لڑکوں میں سے کسی ایک کے پاس ہے"۔

"اس خیال کی وجہ؟" ڈیڈ نے منہ بنایا۔

"آپ نے منہ کیوں بنایا ڈیڈ"۔ موٹے نے کہا۔

"کیوں! کیا میرے منہ بنانے پر پابندی ہے"۔

"جی نہیں! یہ بات نہیں.... آپ نے میری بات سن کر برا سا
منہ بنایا ہے"۔

"ہاں! اس لیے کہ یہ لڑکے مجھے چور نظر نہیں آتے۔۔۔ آخر
نے بھی ایک زندگی گزاری ہے۔۔۔ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے
ڈیڈ ہنسا۔

"لیکن ڈیڈ۔۔۔ آپ کے بال ابھی سفید ہی کہاں ہیں؟" ایک
ہنس کر بولا۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے جو خوف کی فضا تھی، وہ اب ختم ہو
تھی۔

"اوہو۔۔۔ میں نے یہ بات محاورۃً" کہی ہے"۔ ڈیڈ پھر ہنسا۔۔۔
کی ہنسی بھی عجیب تھی۔۔۔ ریل کی سیٹی جیسی۔

"تو آپ کے خیال میں یہ لڑکے چور نہیں ہیں"۔ موٹے
کہا۔

"ہاں۔۔۔ بالکل ۔۔۔ یہی ہے میرا خیال۔۔۔ اور تجربہ جیکی"۔
بولا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔۔۔ آپ رابی کو بلا کر ان کی
حکم دیں"۔

"کیوں! اس کے لیے رابی کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ ایک بڑا
سکتا ہے ان کی تلاشی"۔

"جی نہیں۔۔۔ میں چاہتا ہوں۔۔۔ تلاشی صرف رابی لے"۔

"اچھا تمہاری یہ آرزو بھی پوری کر دیتے ہیں۔۔۔ رابی کو بلا"

"او کے سر"۔ کاؤنٹر پر موجود ایک ملازم نے کہا اور ایک

رہا۔ جلد ہی ہال میں ایک بہت لمبا چوڑا اور خوفناک شکل صورت والا
آدمی داخل ہوا۔۔۔ اس کے جسم سے یہ بات صاف نظر آتی تھی کہ وہ
پلا ہوا بدمعاش ہے۔

"کیا حکم ہے سر؟"

"جیکی کا بٹوہ کسی نے چرا لیا ہے۔۔۔ اس میں کتنے ڈالر تھے
جیکی؟"

"پچاس ہزار"۔

"ہاں پچاس ہزار۔۔۔ اور جیکی کا خیال ہے کہ پرس ان لڑکوں نے
چرایا ہے۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ جیکی تم نے اپنے شک کی وجہ نہیں بتائی"۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ان میں سے ایک میرے پاس آیا تھا۔۔۔
اور اس نے بتایا تھا کہ چند منٹ بعد میں ایک بڑی پریشانی میں مبتلا
ہونے والا ہوں۔۔۔ میں ہو گیا"۔

"تم نے سنا رابی۔۔۔ لیکن میرا خیال ہے۔۔۔ یہ لڑکے چور نہیں
تھا"۔

"مجھے تو لگے ہیں باس"۔ رابی بولا۔۔۔ وہ شوکی براوز کو بری طرح
گھور رہا تھا۔

"مم۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ رفعت نے گھبرائی ہوئی آواز میں
کہا۔

"ڈر کر بھی تم کیا کر لو گی۔۔۔ لہٰذا اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ

مت ڈرو"۔ شوکی مسکرایا۔

"اچھا ٹھیک ہے.... تم ان کی تلاشی لو.... لیکن نرمی سے.... مار
نہیں"۔

"او کے باس"۔

رابی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھا اور نزدیک پہنچ کر بولا۔

"پرس نکال کر دے دو.... تلاشی لینے کی نوبت نہ آئے"۔ اس نے
کہا۔

"ہم نے پرس نہیں چرایا"۔ شوکی نے کہا۔

"اچھی بات ہے"۔ اس نے سرد اور خشک لہجے میں کہا۔

وہ کانپ گئے.... اس نے تلاشی شروع کی.... پہلے شوکی کی.... پھر
مکھن کی' اس کے بعد اخلاق اور اشفاق کی.... پھر وہ بڑھا رفعت کی
طرف۔

"خبردار.... تم اس کی تلاشی نہیں لو گے"۔

"کیا مطلب؟"

"ہال میں بیٹھی کسی لڑکی یا عورت کے ذریعے ان کی تلاشی لی
جائے.... یہ لڑکی ہے"۔

"تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ رابی بولا۔

"پڑتا ہے یا نہیں.... ہم اسے پسند نہیں کرتے.... ہم ہوٹل کے
گاہک ہیں.... ابھی تک چوری ثابت نہیں ہوئی.... کیوں مسٹر ڈیڈ

آپ ہماری اتنی سی خواہش کا بھی احترام نہیں کر سکتے"۔

"مجھے مسٹر کہنے کی کوشش نہ کرو.... صرف ڈیڈ کہتے ہیں لوگ....
کا باس.... اور چونکہ میں تمہارا باس نہیں ہوں' لہٰذا ڈیڈ ٹھیک رہے
گا۔ تمہارا مطالبہ منظور.... ہال میں سے کوئی ہوشیار خاتون اٹھ کر اس
لڑکی کی تلاشی لے لیں ذرا"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

ایک عورت اٹھی اور رفعت کی تلاشی لینے لگی.... رابی قدرے
ٹ کر کھڑا ہو گیا.... تاہم وہ اب بھی انہیں گھور رہا تھا۔

"نہیں ڈیڈ.... اس لڑکی کے پاس پرس نہیں ہے"۔

"دیکھا.... میں نے کیا کہا تھا"۔ ڈیڈ ہنسا۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست تھا ڈیڈ.... میں غلطی پر تھا"۔

"لیکن میرا دعویٰ اب بھی یہی ہے.... کہ پرس ان کے پاس
ہے"۔ جیکی نے بھنا کر کہا۔

"بس کرو جیکی.... میں کہہ چکا ہوں' پرس ان کے پاس نہیں
ہے.... تلاشی بھی لی جا چکی ہے.... تمہاری پسند کے آدمی نے تلاشی لی
ہے۔ تم جانتے ہو.... رابی اس کام کا کتنا ماہر ہے"۔

"لیکن اس لڑکی کی تلاشی تو رابی نے نہیں لی"۔

"اوہو.... تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے.... کیا ان خاتون کو اتنی سی
تلاشی لینا بھی نہیں آتا ہو گا"۔

"آپ لوگ ہماری بات پر بھی توجہ دیں"۔ شوکی نے بلند

آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے بتایا تھا مسٹر جیکی کو۔۔۔ کہ یہ چند منٹ بعد زبردست پریشانی میں مبتلا ہونے والے ہیں۔۔۔ اور یہ ہو گئے۔۔۔ لیکن انہوں نے یہ بات بتانے کی فیس ادا نہیں کی"۔

"فیس!" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں! ہم نجومی ہیں۔۔۔ اگر یہ ہماری فیس ادا کر دیتے تو پریشانی انہیں نہ ہوتی"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا اس صورت میں مسٹر جیکی کا پرس چوری نہ ہوتا"۔

"اگر ہوتا تو مل جاتا"۔

"تو ہم ابھی تمہاری فیس ادا کر دیتے ہیں۔۔۔ کتنی فیس ہے؟"

"صرف ایک سو ڈالر"۔

"کیا کہا۔۔۔ نجومی کی فیس ایک سو ڈالر۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا"۔ ڈیڈ نے بھنا کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ معاملہ پچاس ہزار ڈالر کا ہے"۔

"گویا تم لوگ یہ بتا سکتے ہو۔۔۔ کہ پرس کہاں ہے؟"

"ہاں! بالکل"۔

"اچھا بتاؤ۔۔۔ سو ڈالر مسٹر جیکی ادا کریں گے"۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ اصول کے طور پر آپ پولیس کو بلائیے۔۔۔ چور ابھی ہال میں ہی ہے۔۔۔ اول تو چور یہی ہیں۔۔۔ انہوں نے پرس کہیں چھپا دیا ہے"۔

ایسے میں ایک عورت اپنی میز پر سے اٹھی اور کاؤنٹر کی طرف جانے لگی۔۔۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔۔۔ وہ کاؤنٹر پر جا کر فون کرنے لگی۔

"ہم پولیس کو بلائیں گے جیکی۔۔۔ اگر ان کی بات غلط ہوئی تو"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ یونہی سہی"۔

"ہاں بھئی۔۔۔ بتائیں پرس کہاں ہے؟"

"اس دبلے پتلے آدمی نے پرس چرایا ہے۔۔۔ جو ہال سے باہر جا رہا تھا جسے ہم نے رکنے پر مجبور کر دیا تھا"۔ شوکی بولا۔

"اوہ۔۔۔ نہیں"۔ ہال میں کئی حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔

"کون مسٹر شاری۔۔۔ ان کی طرف اشارہ کیا ہے آپ نے"۔ ڈیڈ حیران رہ گیا۔

"آپ کی حیرت ہمیں حیران کئے دے رہی ہے"۔ شوکی نے کہا۔

"اس لیے کہ شاری میرا دوست ہے اور یہ چور نہیں ہو سکتا۔۔۔ تم لوگوں کا اندازہ غلط ثابت ہوا ہے۔۔۔ اب پولیس کو ہی بلانا پڑے گا"۔

"یہ ناانصافی ہے"۔ شوکی نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا مطلب... کون سی ناانصافی کی طرف اشارہ کر رہے ہو تم"۔ ڈیڈ کو غصہ آگیا۔

"ان کی تلاشی لیے بغیر... آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ چور نہیں ہیں... جب کہ آپ کا ہمارے بارے میں بھی یہ خیال تھا کہ ہم چور نہیں ہیں... پھر ہماری تلاشی کیوں لی گئی تھی... کیا مسٹر شاری کی اس لیے نہیں لی جا رہی کہ یہ آپ کے دوست ہیں؟"

"یہ بات نہیں... میں شاری کو اچھی طرح جانتا ہوں"۔

"ہو سکتا ہے... آپ نے اپنے دوست کو پہچاننے میں غلطی کی ہو"۔

"کیا بکواس ہے... میں اور غلطی کروں"۔

"ہاں کیوں نہیں... کسی بھی آدمی سے غلطی ہو سکتی ہے"۔

"اچھی بات ہے... تم لوگوں کے کہنے پر تلاشی لینے کی اجازت دیتا ہوں... لیکن اگر شاری چور ثابت نہ ہوا تو"۔

"تو کیا؟"

"تو پرس کی رقم تم سے وصول کریں گے"۔

"ارے باپ رے... ہمارے پاس اتنی رقم ہوتی تو یہ شوشا کیوں چھوڑتے"۔ شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"کون سا شوشا"۔

"پرس والا"۔

"تو تم نے شوشا چھوڑا ہے... اس کا مطلب ہے... سارا چکر تم لوگوں کا چلا ہوا ہے"۔ ڈیڈ پھنکارا۔

"دیکھا ڈیڈ... میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا"۔ جیکی چہکا۔

"غلط کہہ رہے تھے... اور مسٹر ڈیڈ آپ غلط سمجھ رہے ہیں... آپ پہلے شاری صاحب کی تلاشی کا حکم دیں"۔

"اچھی بات ہے... رالی... شاری کی تلاشی لو"۔

"ڈیڈ... یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی... تم بھرے ہال میں میری بے عزتی کر رہے ہو"۔

"نہیں... انصاف کا تقاضا پورا کر رہا ہوں... میں جانتا ہوں... تم چور نہیں ہو"۔

"شکریہ ڈیڈ"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں ڈیڈ... پرس شاری کے پاس نہیں ہے"۔

"بہت خوب"۔ یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟"

"وہی... جو پہلے کہہ رہے تھے... چور صرف اور صرف مسٹر شاری ہیں"۔

"لیکن ان کے پاس سے پرس برآمد نہیں ہوا"۔

"ہمیں اجازت دیں... پرس برآمد کر دیتے ہیں"۔

"کیا مطلب... کیا اب تم یہ الزام لگاؤ گے کہ میں نے تلاشی

لینے میں بے ایمانی کی ہے"۔ رابی غرایا۔

"ہم نے یہ نہیں کہا۔۔۔ آدمی سے بھول چوک بھی تو ہو جاتی ہے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ میں تم لوگوں کو یہ موقع بھی دیتا ہوں۔۔۔ جاؤ اور پرس برآمد کر ڈالو"۔

"میں چور نہیں ہوں ڈیڈ۔۔۔ تم آخر ان لوگوں کی اتنی طرف داری کیوں کر رہے ہو۔۔۔ یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی"۔

"آ جائے گی۔۔۔ آ جائے گی۔۔۔ یہ بچے مجھے اچھے لگ رہے ہیں"۔

شوکی اپنی جگہ سے اٹھا اور شاری کے پاس پہنچ گیا۔

"تو مسٹر شاری۔۔۔ آپ چور نہیں ہیں"۔

"بالکل نہیں"۔

"تھوڑی دیر پہلے آپ ہوٹل سے باہر کیوں۔۔۔ چلے جانا چاہتے تھے"۔

"مجھے ضروری کام یاد آ گیا تھا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ اب ہمارا ہم تلاشی لیں گے۔۔۔ اب بھی آپ ہم سے سودا کر لیں۔۔۔ اب ہماری فیس دس ہزار ڈالر ہو چکی ہے۔۔۔ ہم نے پرس برآمد کر لیا تو آپ کے ہاتھ سے پچاس ہزار پورے ہو جائیں گے"۔ شوکی نے ہنسی آواز میں کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟"

"بات تو تمیز کے دائرے میں رہ کر کریں آپ"۔ شوکی نے جھلا کر کہا۔

"کیا بات ہے شاری۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر میں انہیں دس ہزار ڈالر دے دوں تو یہ برآمد نہیں کریں گے"۔

"کیوں۔۔۔ تم نے ایسی بات کہی ہے"۔

"ہاں! ہم نے سوچا۔۔۔ شاید اس طرح مسٹر شاری اپنا جرم قبول کریں اور ہم ان کے الفاظ آپ سب کو سنا سکیں"۔ شوکی مسکرایا۔

"کیوں! آپ لوگ ان الفاظ کو کس طرح سنا دیتے"۔

"یہ ہمارا کام ہے۔۔۔ ہم جانیں۔۔۔ خیر۔۔۔ اب چونکہ مسٹر شاری ہماری پیش کش نہیں مانتے۔۔۔ لہٰذا ہم سو ڈالر پر ہی صبر کر لیتے ہیں۔ مسٹر جیکی تو سو سے زائد ڈالر دیں گے نہیں۔۔۔ کیوں مسٹر جیکی۔۔۔ اگر ہم آپ کا پرس تلاش کر دیں تو آپ کیا دیں گے"۔

"کچھ دینے کی مجھے ضرورت نہیں۔۔۔ یہ کام پولیس کا ہے۔۔۔ اور وہ رہے ہیں تم سے"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"تم لوگ فکر نہ کرو۔۔۔ مسٹر جیکی سو ڈالر دیں گے"۔

"اچھی بات ہے"۔

شوکی ایک دم ایک سمت میں مڑا اور ایک میز کے پاس جا رکا۔۔۔

اس میز پر صرف ایک عورت بیٹھی تھی.... اور وہ وہی عورت تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کاؤنٹر پر فون کرنے گئی تھی۔

"محترمہ آپ اٹھ کر کھڑی ہو جائیں"۔

"کک.... کیوں؟"

"بس ہو جائیں ذرا.... آپ کی تلاشی لی جائے گی.... رفعت آؤ.... تمہیں ان کی تلاش لینا ہے"۔

"یہ کیا مذاق ہے.... ڈیڈ آپ ان لوگوں کو کھلی چھٹی کیوں رہے ہیں.... ابھی یہ لوگ مسٹر شاری کو چور بنا رہے تھے.... اور مجھے"۔

"کیوں بھئی.... یہ.... آپ لوگ کیا کر رہے ہیں"۔

"اگر پرس کی ضرورت ہے.... تو ان کی تلاشی لینے دیں.... ہم ذمے دار نہیں ہوں گے"۔

"تو گویا.... تلاشی لینے کی صورت میں تم لوگ ذمے دار ہو پرس دینے کے"۔

"ہاں بالکل"۔

"اچھی بات ہے.... تلاشی لی جائے"۔

"ڈیڈ! آج کے بعد ہم اس ہوٹل میں نہیں آئیں گے"۔

"شکریہ"۔ ڈیڈ مسکرایا۔

اور پھر رفعت نے سب کے سامنے اس عورت کا بیگ کھولا

کندھے سے اتار لیا.... اس کا رنگ زرد پڑ گیا.... جونہی بیگ کھولا گیا.... اس میں سے پرس نکل کر فرش پر گرا.... رفعت نے پرس اٹھا کر سب کو دکھایا۔

"ویری گڈ.... مزا آ گیا.... یہ.... یہ میرا پرس ہے.... لیکن تم لوگ تو کہہ رہے.... چور مسٹر شاری ہیں"۔ جیکی نے جلدی جلدی کہا.... اب ڈیڈ کے چہرے پر حیرت نظر آ رہی تھی۔

"تو اب بھی ہم نے کیا کہا ہے.... کہ یہ چور نہیں ہیں.... چور یہ لگ رہی ہیں"۔ شوکی بولا۔

"کیا مطلب.... پرس تو اس لیڈی کے بیگ سے نکلا ہے"۔

"جب انہوں نے دیکھا کہ ہم نے ان کی چوری بھانپ لی ہے اور مسٹر شاری کو باہر بھی نہیں جانے دیا جا رہا تو یہ لیڈی صاحبہ اٹھیں اور کاؤنٹر کی طرف جانے لگیں.... یہ شاری کے بالکل پاس سے گزریں اور شاری نے پرس انہیں پکڑا دیا.... لیکن بہت زیادہ ہوشیاری سے.... اس طرح کہ یہ پہلے ہی اپنے بیگ کی زپ کھول کر اس طرف گئی تھیں.... شاری نے پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے.... پرس ان کے بیگ میں رکھ دیا اور بس.... یہ ہے کل کہانی"۔

"نن.... نہیں.... نہیں"۔ شاری چلایا۔

"کیوں شاری.... کیا اب بھی تم یہ کہو گے کہ تم چور نہیں ہو.... اور یہ عورت تمہاری ساتھی نہیں ہے.... کیا تم لوگ میرے ساتھ

آؤ... میں آپس میں تم لوگوں کا فیصلہ کروائے دیتا ہوں"۔ ڈیڈ بولا۔

"لیکن ڈیڈ... یہ پولیس کیس بن گیا ہے"۔ ہال میں سے کسی نے کہا۔

"بھئی اگر پرس کا مالک مسٹر شاری کو معاف کر دے تو پھر پولیس کے پاس جانے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے"۔

"اور ہمارے سو ڈالر؟" شوکی بولا۔

"آؤ بھئی.... تم لوگ بھی آؤ.... تمہارے سو ڈالر تمہیں ضرور ملیں گے.... بلکہ سو ڈالر میں اپنی طرف سے دوں گا"۔

"ویری گڈ.... مزا آگیا"۔ محسن خوش ہو کر بولا۔

ڈیڈ ان سب کو اپنے آفس میں لے گیا۔

"یہ لو جیکی اپنا پرس.... اور اس میں سے سو ڈالر نکال کر ان لوگوں کو دے دو.... سو میں دیتا ہوں"۔

"تو آپ مسٹر شاری کو پولیس کے حوالے نہیں کریں گے؟" جیکی نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر تم کہتے ہو تو میں پولیس کو بلا لیتا ہوں.... لیکن اب اس کا کیا فائدہ.... آئندہ شاری ایسا نہیں کرے گا"۔ ڈیڈ نے سرد آواز میں کہا.... اس آواز نے جیکی کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا.... اس نے فوراً پرس میں سے سو ڈالر نکالے اور شوکی کے حوالے کر دیے.... پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا میں جا سکتا ہوں؟"

"ہاں ضرور.... تم خوش قسمت ہو.... اس قدر جلد پرس مل گیا"۔

جیکی چلا گیا.... اب ڈیڈ نے اپنی جیب سے سو ڈالر نکال کر شوکی کی طرف بڑھائے اور بولا۔

"لو بھئی.... یہ میری طرف سے.... اور شاری اب تم اپنی اس بہن کو لے کر دوسری طرف سے چلے جاؤ.... ورنہ لوگ تمہیں پہچان لیں گے"۔

"اچھا دوست"۔ شاری اٹھتے ہوئے بولا۔

"اور آئندہ ایسا کوئی کام نہ کرنا"۔

"ٹھیک ہے دوست"۔ اس نے کہا اور دونوں چلے گئے.... اب وہاں میں صرف ڈیڈ اور وہ رہ گئے تھے.... ڈیڈ انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا.... پھر اس کے ہونٹ ہلے۔

"تم لوگ کیا چیز ہو؟"

"کیوں جناب! کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"اپنے بارے میں مجھے سب کچھ بتاؤ"۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہم سے غلطی کیا ہوئی ہے جناب.... پہلے آپ یہ بتائیں"۔

"کیا تم روزگار کی تلاش میں ہو"۔

"ہاں! یہی بات ہے.... ہم آج کل خالی ہاتھ ہیں"۔

"مان لیا.... اور میں تم لوگوں کو ملازمت بھی دے سکتا ہوں"۔

"آپ کا مطلب ہے.... ہوٹل میں"۔

"بہت اچھی اور آرام کی ملازمت"۔

"لیکن ملازمت کے ساتھ آپ کو ہمیں رہائش بھی دینا ہو گی"۔

"ایک کمرے میں.... یعنی بڑے کمرے میں تم پانچوں گزارا کرو گے"۔

"کرنے کو تو ہم چھوٹے کمرے میں بھی گزارا کر لیں گے"۔

"بس تو پھر.... تمہاری ملازمت پکی.... لیکن اس سے پہلے تعارف ہو جائے"۔

"میں قادر مسیح ہوں"۔ شوکی بولا۔

"میں اعجاز مسیح"۔ اشفاق نے کہا۔

"اور میں راجا مسیح"۔ اخلاق نے کہا۔

"میرا نام سردار مسیح ہے"۔

"مجھے عنایت بی بی کہتے ہیں"۔ رفعت نے کہا۔

"یہ تو تم لوگوں کے نام ہیں.... میں تو اصل تعارف پوچھ رہا ہوں"۔

"ہم سمجھے نہیں.... آپ کا مطلب اصل تعارف سے کیا ہے"۔

ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"پاک لینڈ کے"۔ اب شوکی نے غلط بیانی کرنا مناسب نہیں سمجھا.... اس لیے کہ اگر وہ کسی اور ملک کا نام لیتا اور ڈیڈ اس ملک کے بارے میں سوالات شروع کر دیتا تو وہ ان کا جواب کیسے دیتا۔

"پاک لینڈ"۔ اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں! پاک لینڈ"۔

"تب تو ملازمت نہیں دے سکتا.... ہاں تم لوگوں کو دوست بنا سکتا ہوں.... رہائش کے لیے ایک کمرہ دے سکتا ہوں"۔ اس نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی.... کیا یہاں پاک لینڈ والوں کو ملازمتیں دینے کی ممانعت نہیں ہے"۔

"ہاں! یہی بات ہے.... ہمیں باقاعدہ ہدایات ہیں"۔

"لیکن کیوں.... حکومت کو آخر ایسی ہدایات جاری کرنے کی کیا ضرورت تھی.... کیا پاک لینڈ کے لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہیں"۔

"نہیں"۔

"ہاں! نہیں ہیں"۔

"اچھی بات ہے.... یونہی سہی.... ہم آپ کے دوست ہیں.... اگر آپ کے کام آ سکے تو ضرور آئیں گے"۔

"شکریہ کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو" ڈیڈ نے شوکی کو
دیکھتے ہوئے کہا

"کیا مطلب" شوکی چونکا

"میں محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ کہ تم کچھ اور بھی کہنے کے
چکر میں ہو"

"آپ اندازہ لگانے میں بہت ماہر ہیں شاید"

"کچھ اور لوگوں کا بھی یہی خیال ہے۔۔۔ لیکن بہرحال میں
بارے میں ایسا نہیں سمجھتا"

"آپ کا اندازہ ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہوگا
آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے"

"چلو ٹھیک ہے۔۔۔ نہیں ہوں گا ناراض۔۔۔ اب کہو کیا
چاہتے ہو"

"مسٹر شاری آپ کا اپنا آدمی ہے"

"اوہ"

ڈیڈ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں

○☆○

ایک منٹ

"جی ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ ہم اس غار کو آخر تک دیکھ آئے
ہیں۔۔۔ بلکہ اس کے دوسرے دہانے سے نکل کر اس طرف آئے
ہیں"۔

"غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ آپ جھوٹ بول رہے ہیں"۔

"جی نہیں! آپ غار کے اندرونی حصے کے بارے میں سوالات کر
لیں۔۔۔ کیا پانچ آدمیوں کی ایک پارٹی اندر نہیں گئی تھی۔۔۔ انہیں کچھ
لوگوں نے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ اور وہ رکے نہیں تھے۔۔۔
آگے بڑھتے چلے گئے تھے"۔

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے"۔

"تو ہم وہی ہیں"۔

"لیکن ان کے چہرے مجھے اچھی طرح یاد ہیں"۔

"ہم آپ کو اپنے چہرے دکھا دیتے ہیں"۔

یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے میک اپ ختم کر دیا۔۔۔ اس کے
ساتھ ہی ان کے ساتھیوں نے بھی میک اپ ختم کر دیا۔

"ارے یہ کیا... یہ تو وہی ہیں"۔

"حیرت ہے... انہیں تو واقعی غار سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا"۔

"ہم نے بتایا نا... ہم دوسرے دہانے سے نکل کر ایک بہت بڑا چکر کاٹ کر آئے ہیں"۔

"تب پھر بتائیے... آپ نے اندر کیا دیکھا؟"

"یہ بتانے کے لیے بہت وقت کی ضرورت ہے... جب کہ ہمارا آگے جانا بہت ضروری ہے"۔

"کیوں... کیا ضرورت پیش آ گئی ہے"۔

"ضرورت ہے... یہ بس ہم جانتے ہیں... اگر آپ اس غار کے بارے میں مکمل ترین معلومات چاہتے ہیں تو آپ کو ہمارا انتظار کرنا ہو گا"۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر ایک آفیسر نے کہا۔

"آخر آپ دوبارہ کیوں جانا چاہتے ہیں"۔

"ہم روشنی کا انتظام کر کے نہیں گئے تھے... ہمارے پاس صرف ایک ٹارچ تھی... اس کے بجھ جانے کے بعد... غار کے ایک حصے میں ہمارا کام باقی رہ گیا"۔

"غار کے ایک حصے میں"۔ اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! ایک حصے میں"۔

"اچھی بات ہے... آپ آگے ہو آئیں... لیکن واپس آپ اسی طرف سے آئیں گے"۔

"اگر ہم آنے کے قابل ہوئے تو ضروری اسی طرف سے آئیں گے اور اگر ایسا کرنے کے قابل نہ ہوئے تو پھر چکر کاٹ کر آپ تک پہنچیں گے... یہ ہمارا وعدہ ہے"۔

"اچھی بات ہے... یونہی سہی"۔ انہوں نے ہار مان لی۔

اب وہ آگے بڑھے... چیونٹیوں کے علاقے میں پہنچ کر انہوں نے یہ خوفناک منظر دیکھا کہ اژدھے کی صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں... گوشت بالکل غائب تھا... اور ہڈیوں کو چھوڑ کر چیونٹیاں اب پھر چھت سے چپکی نظر آ رہی تھیں... لیکن اس بار وہ ان کا انتظام کر کے آئے تھے... گوشت کے بڑے بڑے کئی ٹکڑے لے کر آئے تھے... منور علی خان نے وہ آگے اچھال دیے... ان کے نیچے گرتے ہی چیونٹیوں میں ہل چل مچ گئی... وہ گوشت کی طرف سفر کرنے لگیں... جلد ہی چھت صاف تھی اور ان کے لیے گزرنے کا راستا بن چکا تھا... وہ آگے بڑھے... اور اس تہ خانے کے منہ تک پہنچ گئے... وہاں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی... آخر وہ پھر رسی کے ذریعے نیچے اترے... اب ان کے پاس کئی ٹارچیں تھیں اور بے شمار سیل موجود تھے... لہٰذا اندھیرا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

تابوت اسی طرح پڑے تھے.... البتہ مردوں کا دور دور تک
نہیں تھا.... انہوں نے غار کے ایک ایک سرے کا اچھی طرح جائزہ
شروع کیا.... ایک جگہ انہیں ایک کھائی نظر آئی.... دن میں وہ کھائی
انہیں نظر نہیں آئی تھی.... نظر آ بھی نہیں سکتی تھی.... تاریخ کی
میں بھی پہلے وہ صرف ایک کھائی نظر آئی تھی.... اگر وہ غور سے
جائزہ نہ لیتے تو آگے بڑھ جاتے.... لیکن ان کی تو عادت تھی.... ہر
بغور دیکھنا.... لہٰذا انہوں نے جب کھائی کے اندرونی حصے کا بغور جائزہ
لیا تو اس میں قبر نما ایک اور کھائی نیچے نظر آئی۔

"فرحت! ذرا غور سے اس میں لیٹ کر دیکھنا"۔ انسپکٹر کامران
مرزا بولے۔

"ارے باپ رے.... مرنے سے پہلے ہی قبر میں لیٹنا کس قدر
مشکل لگتا ہے"۔

"فکر نہ کرو.... تم واپس آ جانا"۔ آفتاب مسکرایا۔

فرحت برا سا منہ بناتے ہوئے.... کھائی میں لیٹ گئی اور پھر اس
کھائی سے نیچے والی کھائی میں چلی گئی.... ساتھ ہی اس کی حیرت میں
ڈوبی آواز سنائی دی۔

"ارے باپ رے.... یہاں تو سیڑھیاں موجود ہیں"۔

"کمال ہے.... تہ خانہ در تہ خانہ"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ بھی آ سکتے ہیں.... آگے ایک کشادہ سرنگ ہے"۔

"اوہو اچھا"۔

وہ سب اتر گئے اور اس سرنگ میں چلنے لگے.... جلد ہی وہ ایک
دہانے پر جا نکلے.... اس سے باہر نکلے تو آسمان کے نیچے تھے۔

"بھئی واہ! یہ سفر تو کافی مختصر ثابت ہوا"۔

"اس لیے کہ اس بار تہ خانے میں مردے نہیں تھے"۔ منور علی
خاں مسکرائے۔

"وہ مردے ضرور اس راستے سے باہر نکلے ہوں گے.... ذرا
احتیاط سے ان کے پیروں کے نشانات یہاں مل سکتے ہیں"۔ انسپکٹر
کامران مرزا بولے۔

"انہوں نے دہانے کا بغور جائزہ لیا.... لیکن پتھریلی زمین پر بھلا
پیروں کے نشانات کب ملتے.... تاہم وہ ادھر ادھر دور تک دیکھتے چلے
گئے.... ایک جگہ خون کے قطرات نظر آئے.... اس سے چند قدم پہلے
ایک باریک نوک سی زمین میں ابھری ہوئی تھی.... شاید کسی مردے کا
پیر اس نوک پر پڑ گیا تھا.... خون کے قطرات دیکھ کر ان پر جوش طاری
ہو گیا۔

"اب ہم ان مردوں تک پہنچ جائیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا
بولے۔

"لیکن انکل.... یہ چکر کیا ہے"۔

"اس کتاب کو اڑھائی ہزار برس ثابت کرنے کا چکر ہے.... اور

بس... یار لوگ چاہتے ہیں... اول تو لوگ اس صندوق کو دیکھ کر ہی اس کتاب کو اڑھائی ہزار سال پرانا ہونے کا یقین کر لیں... اور کچھ لوگ جو زیادہ محتاط ہوں... جلدی سے یقین کرنے والے نہ ہوں' وہ اس غار کا آگے سے جائزہ اگر لیں تو اور بھی یقین ہو جائے کہ واقعی یہ غار ہزاروں سال پرانا ہے... اور اس میں سے وہ کتاب ملی ہے۔ چنانچہ اس زمانے کے پتھر' بھالے اور تلواریں وغیرہ بھی غار میں رکھے گئے... اسی پر بس نہیں کیا گیا... غار میں ایک تہ خانہ بھی بنایا گیا... اور اس میں پرانے زمانے کے انداز کے تابوت رکھے گئے... ان تابوتوں میں مردے لٹائے گئے... ماحول کو پراسرار بنایا گیا... جان بوجھ کر اوپر کنڈا اٹھایا گیا... تاکہ ہم وہاں سے زمین کو کھودیں اور تہ خانے میں اترنے پر مجبور ہو جائیں... اور پھر اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر مردے فرار ہو جائیں... ان کے فرار کے لیے اندر ہی اندر راستا بنایا گیا تھا"۔

"تو کیا انہیں معلوم تھا... کہ ہم لوگ یہاں تحقیقات کرنے ضرور آئیں گے"۔

"وہ ہمارے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں... اور ابھی تو یہاں انسپکٹر جمشید پارٹی بھی آئے گی شاید... اگر ہمیں وہ اس بات کا یقین دلا دیتے ہیں کہ وہ کتاب واقعی اڑھائی ہزار سالہ پرانی ہے... تو پھر گویا وہ ساری دنیا کو یقین دلا دیں گے' لیکن ہمیں یقین دلانا بھی کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے... اسی لیے اتنے پاپڑ بیلے گئے... اس غار میں

ضرور جدید آلات بھی فٹ ہیں... اور ان کے ذریعے وہ ہماری گفتگو سنتے رہے ہیں"۔

"اف مالک... کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ باطل قیامت کی طرف یہ لوگ ایک بار پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ڈراما رچا رہے ہیں اور دنیا بھر کو پاگل بنانے کے درپے ہیں"۔

"ہاں! لیکن اس بار انہوں نے بالکل نئے انداز میں کام شروع کیا ہے... اللہ اپنا رحم فرمائے... ادھر... وہ دیکھو... خون کے قطرات اب پھر نظر آنے لگے... کہیں یہ بھی تو ہمارے لیے جال نہیں"۔ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"دیکھا جائے گا... ان جالوں سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم"۔

وہ آگے بڑھتے چلے گئے... اور پھر جھیل کے دوسری طرف انہیں ایک پرانے طرز کی عمارت نظر آئی... خون کے قطرات کا سلسلہ اس عمارت تک چلا گیا تھا... انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر عمارت کی طرف قدم اٹھانے لگے۔

"میں خطرے کی بو محسوس کر رہی ہوں انکل"۔ فرحت نے گویا انہیں خبردار کیا۔

"ہاں فرحت! میں بھی محسوس کر چکا ہوں... لیکن جب تک ہم یہ خطرہ مول نہیں لے لیتے... ان کے چکر کا اندازہ کس طرح ہو گا"۔

وہ بولے۔

"اگر صرف اندازہ کرنے کے لیے خطرہ مول لینا پڑ رہا ہے تو اس کیس کو حل کرنے کے لیے نہ جانے کیا کچھ مول لینا پڑے گا"۔ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"بھئی لے لیں گے مول.... اب ہم اتنے بھی غریب نہیں ہیں"۔ آصف جھلا اٹھا۔

عمارت کے دروازے پر پہنچ کر آصف نے دستک دی.... ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک بوڑھا آدمی نظر آیا.... اس کے چہرے پر حیرت تھی۔

"آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیسے آ گئے.... یہاں تو مدتیں گزر گئیں کوئی نہیں آیا.... ہاں اڑھائی ہزار سال پہلے کوئی آیا تھا"۔

"کیا مطلب.... اڑھائی ہزار سال پہلے کوئی آیا تھا.... یعنی کیا مطلب؟"

"ہاں! اڑھائی ہزار سال پہلے.... خیر آپ اندر آئیں.... میں آپ کو بتاؤں گا.... اڑھائی ہزار سال پہلے کون آیا تھا"۔

"لیکن آپ کو کیا پتا"۔

"کیوں.... پتا کیوں نہیں ہو گا.... میری عمر اڑھائی ہزار سال ہے.... یہ دیکھ رہے ہیں.... میری جلد"۔

اب انہوں نے اس کے چہرے اور جسم کو دیکھا.... وہ بہت لمبے

تڑنگا آدمی تھا.... اور اس کے چہرے کے نقش و نگار عجیب و غریب سے تھے.... جیسے وہ کوئی صدیوں پرانا آدمی ہو۔

"آپ کی عمر اڑھائی ہزار سال ہے"۔ آفتاب نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں!" وہ بولا۔

"لیکن آپ اب تک تھے کہاں؟"

"اڑھائی ہزار سال پہلے ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا کہ اس واقعے کے بعد ہم سو گئے اور اب بیدار ہوئے ہیں"۔

"پتا نہیں.... آپ کیا کہہ رہے ہیں.... ابھی تو آپ کہہ رہے تھے.... یہاں تو مدتیں گزر گئیں.... کوئی نہیں آیا.... اگر آپ سوتے رہے ہیں تو پھر آپ نے یہ بات کس طرح کہہ دی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے چل کر کہا۔

"اس طرح کہ اڑھائی ہزار پہلے میں اور میرے ساتھی جب سونے گئے تو اس مکان کو ہم نے خاص حالت پر چھوڑ دیا تھا.... اب تک وہ خاص حالت برقرار ہے.... ہم ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں آئے ہیں"۔

"کیا مطلب.... آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"ایک غار کے تہ خانے سے.... ہم اس تہ خانے میں اڑھائی ہزار سال تک سوتے رہے ہیں"۔

"نن... نہیں"۔ آفتاب گھبرا گیا۔

"آپ کو یقین نہیں آیا... تو پھر پرانی آسمانی کتابیں کھول کر دیکھ لیں... آج کل انجیل یا زبور مل جاتی ہیں یا نہیں"۔

"ہاں! مل جاتی ہیں... لیکن انجیل اور زبور میں اب بہت کچھ ہے.... ان کے اصل الفاظ تک نکال دیے گئے ہیں اور اپنی بنائی ہوئی عبارات ان میں شامل کر دی گئی ہیں"۔

"اوہو اچھا... یہ بات تو عجیب سی لگتی ہے.... خیر ہم اب وہاں گئے ہیں... انجیل کو پڑھ کر فیصلہ کریں گے کہ وہ درست ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں ہم تو اس وقت موجود تھے... اور میں سمجھ رہا ہوں... آپ لوگ کیا سوچ رہے ہیں"۔ اس نے چونک کر کہا۔

"کیا سمجھ رہے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کھوئے کھوئے انداز سے کہا۔

"یہ کہ.... یہ کوئی ڈراما ہے... ہم لوگ کوئی ڈراما رچا رہے ہیں.... ہم اڑھائی ہزار سال پرانے نہیں ہیں.... بلکہ اسی دور کے ہیں.... اور یہ کوئی چال ہے.... لیکن یہ کوئی چال نہیں ہے... ڈراما نہیں ہے.... اور میں یہ بات ابھی آپ لوگوں پر ثابت کر دوں گا"۔

"آخر کیسے"۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔

"بس دیکھتے جائیں"۔

"کیا دیکھتے جائیں.... ہمیں تو یہاں بس آپ نظر آ رہے ہیں۔

اور آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں.... جو آپ کے ساتھ غار میں سوئے پڑے تھے.... آپ یہاں اکیلے کیوں نظر آ رہے ہیں"۔

"اڑھائی ہزار سال تک سوئے رہنے سے ان کے حلیے خراب ہو گئے تھے... جھیل میں نہانے دھونے گئے ہیں.... ابھی آتے ہوں گے"۔

"اور آپ کا حلیہ خراب نہیں ہوا؟" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"ہوا تھا... میں نہا کر آ چکا ہوں"۔

"اوہ اچھا... کیا آپ کو کسی خاص وقت اٹھنا تھا"۔

"یسوع مسیح کے نزول کے وقت ہمیں اٹھنا تھا.... اور ہمارے اٹھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کا نزول ہو چکا ہے"۔

"یار کیوں مذاق کرتے ہیں"۔ منور علی خان ہنسے۔

"مذاق... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.... میں کیوں آپ سے مذاق کرنے لگا"۔

"یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے.... کہ آپ اڑھائی ہزار سال تک سوتے رہے ہیں"۔

"یہ حقیقت ہے.... اور ابھی آپ کو ان سب باتوں پر یقین آ جائے گا"۔

"لیکن ہمیں یقین دلا کر آپ کو کیا فائدہ ہو گا؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہمیں فائدے اور نقصان سے کیا غرض.... آپ یہاں سے ہیں اور حیرت کا اظہار کیا ہے.... بس ہم نے وضاحت کر دی۔ اب مزید وضاحت کرنے کے لیے تیار ہیں.... لیکن اگر کچھ نہیں سننا چاہتے.... کچھ نہیں جاننا چاہتے تو ہمیں بھی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ جا سکتے ہیں"۔ اس نے بھی جل بھن کر کہا۔

"آپ تو برا مان گئے.... چلیے ہم آپ کی بات سنیں گے"۔

"تو پھر بیٹھ جائیں.... ابھی میرے باقی ساتھی آتے ہوں گے۔ ان کی موجودگی میں بات ہو گی"۔

وہ حیرت زدہ سے بیٹھ گئے.... ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے.... ان کا خیال تو یہ تھا کہ یہ سب ڈراما ہے.... جب کہ وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ ڈراما نہیں ہے اور یہ بات وہ ثابت کر سکتے ہیں.... آخر عمارت کا پچھلا دروازہ کھلا اور اس میں سے پانچ آدمی اندر داخل ہوئے وہ بھی اس کی طرح لمبے چوڑے اور اسی جیسے نقوش کے مالک تھے.... انہیں وہاں دیکھ کر ان کے چہروں پر حیرت!! آ گئی۔

"یہ کون ہیں یہودا"۔

"ہمارے مہمان.... ان لوگوں کا خیال ہے.... ہم اڑھائی ہزار سال پرانے لوگ نہیں ہیں.... بلکہ ہم اس زمانے کے لوگ ہیں.... کسی پروگرام کے تحت ڈراما کر رہے ہیں"۔

"حد ہو گئی"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"حالانکہ ہم اڑھائی ہزار سال پرانے لوگ ہیں.... اور یہ بات ثابت کر سکتے ہیں"۔ یہودا بولا۔

"تو کریں نا ثابت"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کو تاریخ کے بارے میں علم ہے.... آپ نے تاریخ پڑھی ہے"۔ یہودا بولا۔

"ہاں! پڑھی ہے.... آپ بات کریں"۔

"یسوع مسیح کے زمانے کی طرف اپنے ذہن لے جائیے.... اس زمانے کو غور سے دیکھیے"۔

"اس مکان کو.... کیوں! اس مکان میں کیا بات ہے؟"

"ابھی آپ کہہ رہے تھے.... آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے"۔

"ہاں کیا ہے"۔

"تو پھر یسوع مسیح کے زمانے کو ذہن میں لائیں نا.... اس وقت کیا ہوا تھا"۔

"کیا ہوا تھا.... آپ بتائیے نا.... تبھی ہمیں یاد آئے گا کہ آپ اس وقت کی کون سی بات یاد کرانا چاہتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے.... میں ہی یاد کرا دیتا ہوں.... یسوع مسیح نے یہ اعلان کیا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں"۔

"غلط.... بالکل غلط.... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اعلان کبھی

نہیں کیا تھا.... انہوں نے تو یہ اعلان کیا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں
اس کا بھیجا ہوا ہوں اور یہ کہ تم ایک خدا کو مانو' ایک خدا کی عبادت
کرو.... شرک نہ کرو.... انہوں نے تو یہ تعلیم دی تھی"۔

"خیر.... یونہی سہی.... فی الحال آپ ہماری بات سنتے جائیں"۔

"کیسے سنتے جائیں.... جہاں آپ تاریخ کو الٹ پلٹ کریں گے
وہاں میں ضرور بولوں گا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا خیر.... آپ کو اجازت ہے.... اس وقت کے بادشاہ
یسوع مسیح کی تبلیغ سے گھبرا کر انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا۔
وقت انہوں نے ایک مکان میں پناہ لی تھی.... اور ان کے ساتھ ان
بارہ ساتھی بھی تھے.... کچھ آیا یاد.... ان ساتھیوں کو تاریخ حواری
ہے"۔

"ہاں! یہ باتیں ہمیں تاریخ بتاتی ہے"۔

"بادشاہ نے یسوع مسیح کو گرفتار کرنے کا حکم دیا.... پولیس
مکان تک پہنچ گئی.... اس نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔
یہاں تاریخ میں بہت سے اختلافات ہیں.... کچھ کہتے ہیں.... یسوع
کو گرفتار کر لیا گیا اور سولی دینے کے لیے میدان میں لے جایا گیا۔
کہتے ہیں' گرفتار جس کو کیا گیا' وہ یسوع مسیح نہیں تھے.... بلکہ
ایک حواری تھے.... اور یسوع مسیح کو اٹھا لیا گیا.... جن کا یہ خیال
کہ یسوع مسیح کو سولی دی گئی تھی.... وہ آگے بیان کرتے ہیں کہ

حواری پھر سولی پر سے لاش اٹھا کر ایک غار میں لائے تھے.... انہوں
نے غار کا منہ بند کر دیا تھا.... لوگوں نے جب غار کے منہ کو کھولا تو لاش
غائب پایا.... لہٰذا انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ انہیں خدا نے اٹھا لیا....
یہاں ہوا کیا تھا.... یہ ہم آپ کو بتائیں گے"۔

"آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں.... ہمارا قرآن ہمیں بتاتا ہے
کہ کیا ہوا تھا اور کیا نہیں ہوا تھا.... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہ تو
حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا بلکہ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے
اپنی طرف اٹھا لیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ایک منٹ! ہم نہیں جانتے آپ کس کتاب کا ذکر کر رہے
ہیں.... ہم تو وہ واقعات بیان کر رہے ہیں جو ہمارے سامنے پیش
آئے۔ بعد میں لوگوں نے واقعات کو کس کس طرح بیان کیا اور اپنی
کتابوں میں کس کس طرح درج کیا.... یہ ہمیں نہیں معلوم.... اس
لیے کہ ہم آج کے نہیں.... اڑھائی ہزار پہلے کے لوگ ہیں"۔ یہودا
نے حیرانی کے عالم میں کہا۔

ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا کی نظریں ان میں سے ایک کے پیر
پر گئیں.... وہ چونک اٹھے۔

○☆○

چور کی میز

"ارے باپ رے.... جمشید.... یہ لوگ تو شاید ہمیں
کی نیت سے آ رہے ہیں"۔ آئی جی صاحب گھبرا کر بولے۔

"جی نہیں.... آپ پریشان نہ ہوں.... میں نے منہ سے
نکالی ہے.... اس آواز کو یہ بخوبی سمجھتے ہیں"۔

"اور تم ان سے یا یہ تم سے کس طرح واقف ہیں"۔

"میں نے انہیں ایک بار ایک بہت بڑی مصیبت سے
دلوائی تھی.... اس علاقے میں ایک مرتبہ ایک خوفناک بلا آ گئی
اس بلا نے ان کے چھکے چھڑا دیے تھے.... ایسے میں ہمارا ان
سے گزر ہوا اور پھر اس بلا کا خاتمہ کیا"۔

"وہ بلا آخر تھی کیا"۔

"ایک بہت خوفناک بن مانس.... ان کے تیر بھی اس کا
بگاڑ سکتے تھے.... اور نزدیک جا کر تلوار سے وار کرنے کی ان
نہیں تھی"۔

پھر تم نے اس بلا کا مقابلہ کس طرح کیا"۔

"تلوار سے"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اتنے میں پہاڑی لوگ نزدیک آ گئے.... وہ انسپکٹر جمشید کے گرد
جمع ہو کر ناچنے لگے.... شاید یہ ان کا استقبال کا طریقہ تھا.... اور خوشی کا
اظہار تھا.... آخر ان کا جوش کم ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کچھ مہمان ہیں.... آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے.... ہمیں
ایک کام پر جانا ہے.... واپسی پر ہم آپ لوگوں سے انہیں وصول کر لیں
گے"۔

"بڑی خوشی سے.... یہ تو ہمارے لیے بہت خوش قسمتی کی بات
ہے"۔ وہ چلائے۔

"دیکھا آپ نے"۔

"اب ہمارا اطمینان ہو گیا.... تم لوگ پورے سکون سے روانہ ہو
سکتے ہو"۔

ایک دن آرام کرنے کے بعد وہ سفر پر روانہ ہوئے.... پروفیسر
[illegible] اور خان رحمان ان کے ساتھ تھے.... پہاڑی لوگوں اور ان کے
ساتھیوں نے ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ کر دیر تک ان کے لیے ہاتھ
ہلائے' وہ بھی مڑ مڑ کر دیکھتے رہے اور ہاتھ ہلاتے رہے.... راستے میں
انہوں نے اپنے حلیے بھی عیسائیوں جیسے بنا لیے اور میک اپ بھی....
بہت مہارت سے کر لیے.... مختلف طریقوں سے [illegible] کرتے آخر وہ

فلسطین پہنچ گئے۔

"سب سے پہلے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے... کیا نام ہے؟"

"لیکن جمشید... اس سے بھی پہلے ہم کسی اچھے سے ہوٹل میں ٹھہریں گے اور بہترین سا کھانا کھائیں گے... بھلا کتنے دن ہو گئے ہمیں اچھا کھانا کھائے ہوئے"۔

"اوہ ہاں! آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں... آیئے... پہلے ہوٹل میں کمرے لے لیں"۔

وہ اپنے ساتھ کافی نقدی لائے تھے... اس لیے انہیں اخراجات کی کوئی پریشانی نہیں تھی... انسپکٹر جمشید نے ایک ٹیکسی روکی۔

"کیا آپ ہمیں کسی اچھے سے ہوٹل تک لے جا سکتے ہیں"۔

"لیکن آپ تو چھے ہیں"۔ ڈرائیور نے کہا۔

"تو ایک اور ٹیکسی روک لیتے ہیں"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔ وہ بولا۔

دو ٹیکسیوں پر سوار ہو کر وہ ایک ہوٹل تک پہنچے... ہوٹل واقعی شاندار تھا... اس میں انہیں تین کمرے بھی آسانی سے مل گئے... کرایہ بہت زیادہ تھا... لیکن انہوں نے پروا نہ کی... پھر انہوں نے مل کر کھانے کا پروگرام بنایا۔

"جمشید! آج کے دن آرام کیوں نہ کر لیا جائے"۔ اپنے کمرے

پر پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ آرام کریں... ہم ذرا اس کتاب کو پڑھ آئیں"۔

"وہ اتنی چھوٹی سی کتاب تو ہو گی نہیں... اس کے پڑھنے میں بھی تو وقت لگے گا"۔

"تو دو تین دن میں پڑھ لیں گے... پڑھنا تو پڑے گا"۔

"کیا تم آج ہی پڑھنا چاہتے ہو"۔

"جی ہاں! ہم سے آرام نہیں ہو گا"۔

"تب پھر میں بھی کیا کروں گا آرام کر کے"۔

"آپ کی بات اور ہے... آپ عمر کے لحاظ سے بڑے ہیں نا"۔

"کوئی بات نہیں... چلو پہلے تو کھانا کھا لیں"۔

وہ ہال میں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے... برآمدے سے گزر رہے تھے کہ پروفیسر داؤد چونک کر رک گئے۔

"خیر تو ہے انکل"۔ محمود چونکا۔

"اس کمرے میں کچھ آلات نصب ہیں... سائنسی آلات... میری انگوٹھی مجھے خبردار کر رہی ہے"۔

"لیکن ہمیں اس سے کیا... ہوٹل کی انتظامیہ نے اپنی ضرورت کے لیے نصب کر رکھے ہوں گے"۔ خان رحمان بولے۔

"لیکن میں دیکھنا چاہوں گا کہ وہ کس قسم کے آلات ہیں"۔

"اچھی بات ہے... دیکھ لیتے ہیں"۔

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے دروازے پر دستک دی۔۔۔ ایک منٹ گزر گیا۔۔۔ انہوں نے پھر دستک دی۔۔۔ آخر دو منٹ بعد دروازہ تھوڑا سا کھلا' ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کی صورت دکھائی دی۔

"فرمایئے۔۔۔ کیا بات ہے؟" اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔۔۔ گویا ان کا دستک دینا اسے بہت ناگوار گزار تھا۔

"دیکھیے! ہم ابھی ابھی اس ہوٹل میں آکر ٹھہرے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو پھر"۔

"ہم نے سوچا۔۔۔ کسی کو دوست بنا لیں۔۔۔ تاکہ یہاں اچھا وقت گزرے"۔

"معاف کیجیے گا۔۔۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں۔۔۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں"۔

یہ کہ کر وہ دروازہ بند کرنے لگا۔۔۔ لیکن انسپکٹر جمشید اندر داخل ہو گئے اور جلدی سے بولے۔

"ایسی بھی کیا مصروفیت صاحب۔۔۔ آخر ہم بھی تو آپ کے پڑوسی ہیں"۔

"پڑوسی کیسے؟"

"پڑوسی۔۔۔ ایسے کہ اسی منزل پر کمرے لیے ہیں ہم نے"۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"دوستی"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے کہا نا میں بہت مصروف آدمی ہوں"۔

"تب ہم آپ کا ہاتھ بٹائیں گے"۔

"نہیں آپ میرا ہاتھ نہیں بٹا سکیں گے۔۔۔ میرا کام ہی ایسا ہے"۔

"اوہو! یہاں تو ایکسرے مشینیں لگی ہیں۔۔۔ جدید ترین۔۔۔ جن کے ذریعے دیواروں کے آر پار تک دیکھا جا سکتا ہے"۔ ایسے میں پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ نے یہ بات کس طرح کہی"۔

"دیکھا! ہم ٹھیک کہتے تھے نہ۔۔۔ آپ کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں"۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اگر ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کمرے میں کس قسم کے آلات لگے ہیں۔۔۔ تو آپ کا ہاتھ کیوں نہیں بٹا سکتے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ لوگ عجیب ہیں"۔ وہ جل کر بولا۔

"ہاں! یہ بات آپ نے بالکل ٹھیک کہی"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھیے۔۔۔ میں بہت۔۔۔"

"مصروف ہیں۔۔۔ یہ بات تو آپ پہلے ہی بتا چکے ہیں"۔ خان رحمان بولے۔

"حد ہو گئی"۔ وہ بھنا اٹھا۔

"کوئی حرج نہیں اگر حد ہو گئی ہے۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں"۔

"اچھا! اب میں پریشان بھی نہ ہوں"۔ اس نے آنکھیں نکالیں۔

"اگر آپ پریشان ہونے کی زیادہ ہی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، ہو لیجئے۔۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ۔۔۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"آپ کے کمرے میں دو گھڑی بیٹھ کر آپ سے تعارف حاصل کرنا۔۔۔ تاکہ ہم جب تک یہاں رہیں۔۔۔ بالکل اجنبی بن کر نہ رہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہاں ہمارا کوئی دوست بھی ہے"۔

"لیکن میں آپ کا دوست نہیں ہوں"۔ اس نے پرزور انداز میں کہا۔

"اچھا بھئی۔۔۔ نہیں ہوں گے۔۔۔ آپ ہمارے دوست۔۔۔ پکا دوست ہیں"۔

"آئیں بابا آئیے۔۔۔ آپ سے جانا چھڑانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے"۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔

اور پھر اس نے انہیں اندر داخل ہونے کے لیے راستہ دیا۔۔۔ اندر داخل ہونے پر پروفیسر داؤد کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ وہاں واقعی سائنسی آلات نصب تھے۔

"ارے یہ کیا۔۔۔ کیا آپ سائنس دان ہیں"۔ پروفیسر داؤد

حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ جی ہاں"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"آپ نے کیا فرمایا۔۔۔ ہاں یا نہیں"۔

"ہاں۔۔۔ نہیں"۔ اس نے پھر کہا۔

"بات پلے نہیں پڑی۔۔۔ کیا آپ سائنس دان ہیں؟"

"نہیں"۔ آخر اس نے گھبرا کر کہا۔

"پھر یہ سب کیا ہے"۔

"میں سائنس دان نہیں ہوں۔۔۔ لیکن سائنس دان بننے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔۔۔ اور یہ میری اسی کوشش کا نتیجہ ہے"۔

"بہت خوب۔۔۔ مجھے بھی سائنس سے دلچسپی ہے۔۔۔ کیا میں ان آلات کو نزدیک سے دیکھ سکتا ہوں"۔

"ضرور جناب۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ دیکھئے"۔ اس نے منہ بنایا۔

پروفیسر داؤد آلات دیکھنے میں لگ گئے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟"

"مجھے۔۔۔ ٹام کہتے ہیں"۔

"مسٹر ٹام۔۔۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی"۔

"شکریہ۔۔۔ لیکن مجھے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی۔۔۔ میں زبردستی کے مہمانوں یا دوستوں کو بالکل پسند نہیں کرتا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"اوہو... یہ تو بہت بری بات ہے... آپ کو پسند کرنا چاہیے"
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا پسند کرنا چاہیے"۔ اس نے فاروق کو کھا جانے والی نظر
سے دیکھا۔

"زبردستی کے دوستوں کو... اور کیا"۔

"میں نے آپ جیسے لوگ آج تک نہیں دیکھے"۔

"تو اب اچھی طرح دیکھ لیں... حسرت نہ رہ جائے"۔ وہ
مسکرایا۔

"آپ... آپ اس ہوٹل کے گاہک تو لگتے نہیں... میرا خیال
ہے... آپ یہاں ٹھہرے ہوئے تو نہیں ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے چونک
کر کہا۔

"یہ اندازہ کس طرح لگا لیا آپ نے"۔

"اس طرح کہ یہاں سامان نام کی کوئی چیز نہیں ہے"۔

"آپ کا اندازہ ٹھیک ہے"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"بہت خوب... تو پھر... آپ یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں"۔

"میں اس ہوٹل کا ملازم ہوں... سمجھے آپ"۔

"بہت اچھی طرح سمجھ گئے"۔

"میرا خیال ہے... انہیں اور زیادہ نہیں ستانا چاہیے... بڑا
لیا ہے... اتنا ہی بہت کافی ہے... لہٰذا اب چلتے ہیں"۔ ایسے میں پیچھے

داؤد کی آواز سنائی دی... وہ آلات سے ان کی طرف رخ کر چکے
تھے... گویا معائنہ مکمل ہو گیا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی... لیجیے جناب! آپ بھی کیا یاد کریں
گے... ہم جا رہے ہیں"۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے... اس نے کھٹ سے دروازہ بند کر
لیا... وہ ہال کی طرف چل پڑے۔

"کیا خیال ہے؟"

"سارے آلات سراغ رسانی کے ہیں... ہوٹل کے ہال کے
تمام مناظر اور آوازیں اس کمرے میں صاف سنی اور دیکھی جا سکتی
ہیں... شاید اور کمروں میں بھی سراغ رسانی کی جا سکتی ہو گی... جہاں
جہاں بھی خفیہ کیمرے فٹ کیے گئے ہوں گے... وہیں کی آوازیں اور
مناظر دیکھے اور سنے جا سکتے ہیں اس کمرے میں"۔

"لیکن کیوں... آخر اس ہوٹل والوں کو ایسا انتظام کرنے کی کیا
ضرورت تھی"۔

"اس بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں"۔ پروفیسر بولے۔

"خیر ہم معلوم کر لیں گے"۔ انہوں نے کہا۔

آخر وہ ہال میں پہنچ گئے... ایک کونے کی میز کے گرد بیٹھنے کے
بعد انہوں نے ہال پر ایک نظر ڈالی... بہت بڑا ہال تھا... اور ایک وقت
میں چار پانچ سو آدمی کھانا کھا سکتے تھے... انہوں نے کھانے کا آرڈر

دیا۔

"ارے!"۔ اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا جمشید؟" خان رحمان بولے۔

"ہوٹل کے ہال میں ایک شخص نے دوسرے کا بٹوہ اڑا لیا ہے"۔

"ارے اچھا.... پھر کیا ارادے ہیں"۔

"چور کو پکڑوانا تو چاہیے"۔

"پہلے پکڑوا دیں.... اس طرح بٹوے والے سے دوستی بھی ہو جائے گی اور ہم یہاں کے متعلق کچھ کام کی باتیں معلوم کر سکیں گے"۔

"اچھی بات ہے.... چور ہال میں ہی ہے.... شاید اس کا بھی کھانا کھانے کا ارادہ ہے.... لہٰذا پہلے ہم بھی کھانا کھا لیں"۔

"ہمیں بتا تو دیں.... چور کون سا ہے.... اور جس کا بٹوہ چرایا گیا ہے.... وہ کون ہے"۔

"ضرور.... وہ دیکھو.... اس طرف نیلے لباس والا چور ہے.... اور اس طرف سفید کپڑوں والے کا بٹوہ چرایا گیا ہے"۔

"دونوں ہی پرسکون بیٹھے ہیں"۔

"بٹوے والے کا سکون تو اس وقت رخصت ہو گا نا.... جب وہ جیب میں ہاتھ ڈالے گا"۔

"آپ یہاں نئے آئے ہیں"۔ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔

انہوں نے سر اٹھائے تو ایک دبلا پتلا نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"جی ہاں.... فرمائیے"۔

"ہوٹل کے مینجر صاحب.... آپ لوگوں سے ملنے کے خواہش مند ہیں"۔

"ہوٹل کے مینجر.... وہ کہاں ہیں اور ہم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں"۔

"اپنے آفس میں.... آیئے میں آپ کو ان تک لے چلوں.... وہ کیوں ملنا چاہتے ہیں' یہ تو وہی بتا سکیں گے"۔

"ہم ابھی تھوڑی دیر تک یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے"۔

"کیوں؟" وہ بولا۔

"پہلی بات تو یہ کہ ہم نے کھانے کا آرڈر دے دیا ہے"۔

"آرڈر کو فی الحال رکوا دیتے ہیں"۔ اس نے کہا۔

"جی نہیں.... ہمیں بھوک لگی ہے.... لہٰذا ہم کھانے کے بعد ہی ان سے مل سکتے ہیں.... ہاں اگر انہیں زیادہ جلدی ہے تو بہتر ہو گا کہ وہ یہاں آ جائیں"۔

"ٹھیک ہے.... میں انہیں بتا دیتا ہوں.... اگر انہوں نے آنا پسند کیا تو آ جائیں گے"۔ اس نے منہ بنا کر کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

"آپ سمجھے.... یہ حضرت کیوں آئے تھے"۔ انسپکٹر جمشید

"مینجر صاحب نے بھیجا تھا۔۔۔ اس لیے آئے تھے"۔

"اور مینجر صاحب نے کیوں بھیجا تھا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ ہمیں کیا پتا"۔ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"پتا ہونا چاہیے۔۔۔ اسی کو جاسوسی کہتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا آپ کو معلوم ہے۔۔۔ کہ اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے"۔

"ہاں! میں جانتا ہوں"۔ انہوں نے کہا۔

"تو بتاؤ نا۔۔۔ ہمیں کیوں سسپنس میں مبتلا کیے دے رہے ہو"۔

عین اسی وقت بیرا کھانے کی ٹرے لے آیا اور انہیں خاموشی اختیار کرنا پڑی۔۔۔ جب تک وہ کھانا لگاتا رہا۔۔۔ وہ خاموش رہے۔۔۔ اس کے جانے کے بعد محمود نے کہا۔

"ہاں! اب بتائیے۔۔۔ اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟"

"اوہو۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"۔

انہوں نے انسپکٹر جمشید کی حیرت میں ڈوبی آواز سنی۔ ان کی نظروں کے تعاقب میں انہوں نے نظریں دوڑائیں۔۔۔ تو انہیں چاروں میز کی طرف کوئی جاتا نظر آیا۔۔۔ وہ بھی اسے دیکھ کر بھونچکے رہ گئے

○☆○

دھک دھک

"یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا؟" ڈیڈ نے نرم گرم انداز میں مسکرا کر کہا۔

"اندازہ لگانے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں"۔ شوکی مسکرایا۔

"خیر۔۔۔ اب کیا پروگرام ہے"۔ ڈیڈ بولا۔

"تو ہمارا اندازہ درست ہے"۔

"ہاں درست ہے۔۔۔ اب تم اپنا پروگرام بتاؤ"۔

"افسوس! ہم آپ کی ملازمت نہیں کر سکتے۔۔۔ آپ ناجائز کاروبار کر رہے ہیں۔۔۔ کیا اس ہوٹل کی آمدنی کم ہے جو آپ یہ دھندا بھی کرتے ہیں"۔

"بات دراصل یہ نہیں، جو تم سمجھ رہے ہو"۔ ڈیڈ مسکرایا۔

"خیر بات ہے۔۔۔ وہ بتا دیں"۔

"میرا ایک ہیرا گم ہے۔۔۔ کسی نے چرا لیا ہے۔۔۔ جن لوگوں پر شک ہے۔۔۔ ان کی جیبوں پر ہاتھ صاف کروا رہا ہوں۔۔۔ ان کے گھروں